اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

''ہم جہاد اور حج کا فریضہ ہر دور میں ائمہ مسلمین کے ساتھ قائم کرتے رہیں گے، ہم ائمہ مسلمین کے خلاف بغاوت کو (جائز) خیال نہیں کرتے، نہ ہی فتنہ میں قتال کو درست سمجھتے ہیں، اللہ عزوجل نے جسے ہمارا حکمران بنا دیا ہے، ہم اس کی بات (غور سے) سنتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں، کبھی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے، نیز ہم اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں، شذوذ، اختلاف اور تفرقہ بازی سے اجتناب کرتے ہیں، مسلمان حکمرانوں کی سرکردگی میں جہاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جاری رہے گا، کوئی طاقت اسے ختم نہیں کر سکتی، حج اور ائمہ مسلمین کو زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اسی طرح (قیامت تک جاری رہنے والی) ہے، (مسلمان) لوگ وراثت اور دیگر احکام میں مومن (شمار) ہوں گے، ہم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کے ہاں کیا (مقام رکھتے) ہیں؟ تو جو یہ کہے کہ وہ حقیقی مومن ہے، وہ بدعتی ہے اور جو کہے کہ وہ اللہ کے ہاں مومن ہے، وہ جھوٹوں میں سے ہے اور جو کہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے، وہ درستی پر ہے، مرجی لوگ بدعتی اور گمراہ ہیں اور قدریہ (منکرینِ تقدیر) بھی گمراہ اور بدعتی ہیں، ان میں سے جو شخص یہ کہے کہ کام ہونے سے پہلے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہوتا، وہ کافر ہے، جہمی لوگ بھی کافر ہیں، رافضیوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے، خارجی اسلام سے نکل گئے ہیں، جو یہ دعویٰ کرے کہ قرآن مخلوق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا کفر کرتا ہے جو دین سے خارج کر دیتا ہے اور جو سمجھتے بوجھتے اس کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کلام کے بارے میں شک کرتے ہوئے توقف کر لیتا ہے، کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ مخلوق ہے یا مخلوق نہیں ہے، وہ جہمی ہے، نیز جو جہالت کی بنا پر قرآن کے بارے (مخلوق ہونے یا نہ ہونے) میں توقف کرے، اسے بتایا جائے گا، (اگر شک دور نہ کرے تو اسے) بدعتی قرار دیا جائے گا، کافر نہیں کہا جائے گا، جو اس طرح کہے، میرا قرآن کا تلفظ کرنا مخلوق ہے یا میرے الفاظ کے ساتھ قرآن مخلوق ہے، وہ جہمی ہے۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام ابوحاتم رحمہ اللہ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہل بدعت کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث پر کیچڑ اچھالتے ہیں، زنادقہ (بے دین لوگوں) کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو مُجسِّمہ (جسمِ باری تعالیٰ کے قائل) قرار دیتے ہیں، وہ احادیث کو باطل قرار دینا چاہتے ہیں، جہمیوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مُشبِّہہ (خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینے والے) کہتے ہیں، قدریہ (منکرینِ تقدیر) کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو مُجبِّرہ (انسان کو مجبورِ محض قرار دینے والے) کہتے ہیں، مرجئہ اہل سنت کو مخالفہ اور نقصانیہ کا نام دیتے ہیں، اور رافضہ (غالی شیعوں) کی علامت یہ ہے کہ اہل سنت کا نام ناصبہ (علی رضی اللہ عنہ کے دشمن) رکھتے ہیں، گمراہ فرقوں کا یہی کام رہا ہے، حالانکہ اہل سنت کو صرف ایک ہی نام صادق آتا ہے، ان پر بہت سے ناموں کا اطلاق ناممکن ہے۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ کو سنا کہ وہ گمراہوں اور بدعتیوں سے قطع تعلقی کرتے تھے اور ان کا سخت رد کرتے تھے، وہ احادیث کی بجائے رائے کے بل بوتے پر کتابیں لکھنے کو غلط قرار دیتے تھے، اہل کلام (فلسفی و منطقی لوگوں) کے ساتھ بیٹھنے اور ان کی کتابیں پڑھنے سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اہل کلام کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔''

(كتاب اصل السنة واعتقاد الدين لابن ابی حاتم)

ماہنامہ **السنۃ**

شمارہ نمبر ⑨، رجب ۱۴۳۰ھ، جولائی ۲۰۰۹ء

کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حدیث وحی ہے، یہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے، حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨ھ) لکھتے ہیں:

والسّنّة أيضا تنزل عليه بالوحي ، كما ينزل القرآن . ''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سنت بھی اسی طرح وحی کے ذریعے نازل ہوتی تھی، جس طرح کہ قرآنِ کریم نازل ہوتا تھا۔'' (مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ١٣/ ٣٦٤)

ان کے نامور شاگرد حافظ ابنِ قیّم الجوزیہ رحمہ اللہ (م٧٥١ھ) لکھتے ہیں:

انّ اللّٰه سبحانه وتعالىٰ أنزل على رسوله وحيين ، وأوجب علىٰ عباده الايمان بهما ، والعمل بما فيهما ، وهما الكتاب والحكمة ، وقال تعالىٰ : ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء : ١١٣) وقال تعالىٰ :﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة : ٢) وقال تعالىٰ : ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾ (الاحزاب : ٣٤) والكتاب هو القرآن ، والحكمة هي السّنّة باتّفاق السّلف ، وما أخبر به الرّسول من اللّٰه فهو في وجوب تصديقه ، والايمان به ، كما أخبر به الرب تعالىٰ علىٰ لسان رسوله ، هذا أصل متّفق عليه بين أهل الاسلام ، لا ينكره الّا من ليس منهم ، وقد قال النّبیّ صلّی اللّٰه عليه وسلّم ((ألا) ! انّي أوتيت القرآن ومثله معه))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر دو قسم کی وحی نازل کی ہے اور ان دونوں پر ایمان لانا اور دونوں پر عمل کرنا واجب قرار دیا ہے، وہ دونوں قسم کی وحی کتاب وحکمت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء : ١١٣) (اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے) اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة : ٢) (وہی ذات ہے جس نے اُمّی لوگوں میں اپنی طرف سے رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے)، نیز فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (الاحزاب : ٣٤) (اور اے نبی کی بیویو! تم اپنے گھروں میں تلاوت کی جانے والی آیات وحکمت کو یاد کرو)، سلف صالحین کا اجماعی موقف ہے کہ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے، وہ جو وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائے، وہ ایمان وعمل کے

واجب ہونے میں اسی وحی کی طرح ہے جس کی رب تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی خبر دے، یہ اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے، اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو مسلمانوں سے خارج ہو، خود نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: (خبردار! میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی طرح کی ایک اور چیز بھی دیا گیا ہوں)۔'' (كتاب الروح لابن قيم الجوزية : ۱۰۵)

سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ألا ! انّي أوتيت القرآن ومثله معه . ''خبردار! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح کی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔'' (سنن ابی داؤد : ٤٦٠٤، مسند الامام احمد : ٤ /١٣١، وسندهٔ صحيح)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ) اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: **أي أوتيت القرآن ، وأوتيت مثله من السّنّة الّتي لم ينطق بها القرآن .** ''یعنی مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی طرح وہ سنت بھی دی گئی ہے جس کا قرآن میں ذکر نہ تھا۔'' (ارشاد الفحول للشوكاني : ص ٣٣)

اس حدیثِ مبارکہ میں نبیٔ اکرم ﷺ نے قرآن و حدیث دونوں کو وحی قرار دیا ہے، درجِ ذیل حدیث سے بھی اس حدیث کا مفہوم واضح ہوتا ہے: **ما من الأنبياء نبيّ الّا أعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر ، وانّما كان الّذي أوتيته وحيا أوحاه اللّٰه اليّ ، فأرجوا أنّي أكثرهم تابعا يوم القيامة .**

''ہر دور میں ہر نبی کو اتنی مقدار میں نشانیاں عطا کی گئیں، جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے، بے شک جو کچھ مجھے عطا کیا گیا ہے، وہ وحی ہے، یہ وحی اللہ نے میری طرف کی ہے، میں امید کرتا ہوں کہ تابع داروں کے اعتبار سے روزِ قیامت دوسرے نبیوں سے سبقت لے جاؤں گا۔'' (صحيح بخاری : ٢ /١٠٨٠، ح : ٧٢٧٤)

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قرآن کی طرح حدیث بھی وحی ہے اور ''منزل من اللہ'' ہے۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ليدخلنّ الجنّة بشفاعة رجل ليس بنبيّ مثل الحيّين ربيعة ومضر ، فقال رجل : يا رسول اللّٰه ! وما ربيعة من مضر ؟ قال : انّما أقول ما أُقَوَّلُ .** ''ایک آدمی کی شفاعت سے ربیعہ اور مضر دونوں قبیلوں کی مقدار لوگ جنت میں داخل ہوں گے، ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ربیعہ کی مضر قبیلے سے کیا نسبت؟ فرمایا، میں وہی کہتا ہوں جو کہلایا جاتا ہوں۔''

(مسند الامام احمد : ٥ /٢٥٧، ٢٦١، ٢٦٧، المعجم الكبير للطبرانی : ٧٦٣٨، وسندهٔ صحيح)

جب اصولِ محدثین کے مطابق صحیح حدیث بھی وحی ہے، وہ قرآنِ مجید کے وحی ہونے کی تصدیق بھی کرتی ہے، پھر وہ قرآن کے مخالف کیسے؟ خوب یاد رہے کہ قطعاً وحی وحی کے معارض و مخالف نہیں ہو سکتی۔

نزولِ باری تعالیٰ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی اور اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر اترتے ہیں، یہ اترنا حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفتِ برحق ہے، یہ عقیدہ احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، ائمہ محدثین رحمہم اللہ کی تصریحات اس پر شاہد ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ینزل ربّنا تبارک وتعالیٰ فی کلّ لیلة الی السّماء الدّنیا حین یبقیٰ ثلث اللّیل الآخر ، فیقول : من یدعونی ، فأستجیب له ؟ من یسألنی ، فأعطیه ؟ من یستغفرنی ، فأغفر له ؟

''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات جب آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے، کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے اور میں اسے معاف کر دوں؟''

(صحیح بخاری : ۱/ ۱۵۳، ح : ۱۱۴۵، صحیح مسلم : ۱/ ۲۵۸، ح : ۷۵۸)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: **هذا الحدیث لم یختلف أهل الحدیث فی صحّته .** ''اس حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین کرام کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔''

(التمهید لابن عبدالبر : ۷/ ۱۳۴)

نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں:

① **سیدنا ابو سعید اور سیدنا ابو ہریرہ** رضی اللہ عنہما (صحیح مسلم : ۱/ ۲۵۸، ح : ۷۵۸/ ۱۷۲)

② **سیدنا علی** رضی اللہ عنہ (مسند الامام احمد : ۱/ ۱۲۰، وسندہٗ حسن)

حافظ منذری رحمہ اللہ (الترغیب والترهیب : ۱/ ۱۶۵) **اور حافظ ہیثمی** (مجمع الزوائد : ۱/ ۲۲۱) **نے اس کی سند کو** ''حسن'' کہا ہے۔

③ **سیدنا جبیر بن مطعم** رضی اللہ عنہ (مسند الامام احمد : ٤/ ۸۱، مسند الدارمی : ۱٤۸۸، السّنّة لعبداللّٰه بن احمد بن حنبل : ۱۱۹۹، وسندہٗ صحیح)

④ **رفاعہ بن عرابہ الجہنی** رضی اللہ عنہ (مسند الامام احمد : ٤/ ١٦، مسند الطیالسی : ص ۱۸۲، النّزول للدارقطنی : ٦۸، وسندہٗ صحیح)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو "صحیح" کہا ہے۔(الاصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر : ۲۸٤۳)

⑤ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (النّزول للدارقطنی : ۱۰۰، وسندہٗ صحیح)

احادیث احادیثِ نزولِ باری تعالیٰ کو درج ذیل ائمہ دین اور علمائے کرام رحمہم اللہ نے "متواتر" قرار دیا ہے:

① حافظ ذہبی رحمہ اللہ (العلو للذھبی : ص ۱۱۰، ۱۱٦) ② حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (الصارم المنکی : ص ۲۲۰)

③ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (شرح حدیث النّزول : ص ۱۰۷) ④ حافظ ابن قیّم رحمہ اللہ (مختصر الصواعق : ۲٤۸/۲)

⑤ حافظ سخاوی رحمہ اللہ (فتح المغیث : ٤۳/۳) ⑥ علامہ کتّانی (نظم المتناثر : ص ۱۱٤۔۱۱۵عن السیوطی موافقا له)

فائدہ : حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

النّزول المذكور فی الحديث النّبویّ علی قائله أفضل الصّلاة والسّلام ، الّذی اتّفق عليه الشّيخان ، البخاریّ ومسلم ، واتّفق علماء الحديث علی صحّته ، هو ((اذا بقی ثلث اللّيل الآخر)) وقد رُوِی عن النّبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم من رواية جماعة كثيرة من الصّحابة كما ذكرنا قبل هذا ، فهو حديث متواتر عند أهل العلم بالحديث ، والّذی لا شكّ فيه اذا بقی ثلث اللّيل الآخر ، فان كان النّبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم قد ذكر النّزول أيضا اذا مضی ثلث اللّيل الأوّل ، واذا انتصف اللّيل ، فقوله حقّ ، وهو الصّادق المصدوق ، ويكون النّزول أنواعا ثلاثة ، الأوّل : اذا مضی ثلث اللّيل الأوّل ، ثمّ اذا انتصف وهو أبلغ ، ثمّ اذا بقی ثلث اللّيل ، وهو أبلغ الأنواع الثّلاثة .

"بخاری ومسلم کی اتفاقی طور پر صحیح حدیثِ نبوی علیہ الصلاۃ والسلام میں جس نزول کا ذکر ہے، وہ اس وقت ہوتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جائے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا یہ حدیث محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک متواتر ہے، نزول کے بارے میں رات کے آخری تہائی حصے والی بات شک وشبہ سے بالاتر ہے، اگر چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے پہلے تہائی حصے کے گزرنے اور آدھی رات کے گزرنے کے بعد بھی نزولِ باری تعالیٰ کا ذکر کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق و مصدوق ہیں، آپ کی بات حق ہے، چنانچہ نزول تین طرح کا ہے، ایک وہ جو رات کے پہلے تہائی حصے کے گزرنے پر ہوتا ہے، دوسرا وہ جو آدھی رات کے گزرنے پر ہوتا ہے، یہ پہلے کی نسبت زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور تیسرا نزول رات کے آخری تہائی حصہ کے باقی رہ جانے کے وقت ہوتا ہے، یہ سب سے زیادہ بلیغ ہے۔"

(مجموع الفتاوی لابن تیمیه : ٤۷۰/۵)

شیخ الاسلام امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (۱۶۱۔۲۳۸ھ) فرماتے ہیں:

جمعني وهذا المبتدع ، يعني ابراهيم بن أبي صالح ، مجلس الأمير عبدالله بن طاهر ، فسألني الأمير عن أخبار النّزول ، فسردتّها ، فقال ابراهيم : كفرت بربّ ينزل من سماء الى سماء ، فقلت آمنت بربّ يفعل ما يشاء .

''میں اور یہ بدعتی یعنی ابراہیم بن ابی صالح امیر عبداللہ بن طاہر کی مجلس میں جمع ہوئے ، انہوں نے مجھ سے نزولِ باری تعالیٰ کی احادیث پوچھیں ، میں نے بیان کر دیں ، ابراہیم کہنے لگا ، میں ایسے رب سے کفر کرتا ہوں ، جو ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول کرتا ہے ، میں نے کہا ، میں اس رب پر ایمان لاتا ہوں جو وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔'' (الاسماء والصفات للبیہقی : ۱۹۷/۲ ، وفی نسخۃ : ۲/ ۳۷۵۔۳۷۶ ، ح : ۹۵۱ ، وسندہٗ صحیح)

امام ترمذی رحمہ اللہ (م۲۷۹ھ) فرماتے ہیں: **وقد قال غير واحد من أهل العلم في هذا الحديث وما يشبه هذا من الرّوايات من الصّفات ونزول الرّب تبارك وتعالىٰ كلّ ليلة الى السّماء الدّنيا ، قالوا : قد تثبت الرّوايات في هذا ، ويؤمن بها ، ولا يتوهّم ، ولا يقال : كيف ؟ هكذا روى عن مالك بن أنس وسفيان بن عيينة وعبدالله بن المبارك أنّهم قالوا في هذه الأحاديث : أمرّوها بلا كيف ، هكذا قول أهل العلم من أهل السّنّة والجماعة ، وأمّا الجهميّة فأنكرت هذه الرّوايات ، وقالوا : هذا تشبيه .**

''بہت سے اہل علم نے اس حدیث اور صفاتِ باری تعالیٰ اور ہر رات اللہ تعالیٰ کے نزول وغیرہ پر مشتمل دوسری احادیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس بارے میں وارد ہونے والی روایات کو ثابت سمجھا جائے ، ان پر ایمان لایا جائے ، وہم نہ کیا جائے اور ان کی کیفیت کے بارے میں سوال نہ کیا جائے ، امام مالک بن انس ، امام سفیان بن عیینہ اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے کہ انہوں نے ان صفات والی احادیث کے بارے میں فرمایا ، ان کو بلا کیفیت تسلیم کرو ، اہل سنت والجماعت کے علمائے کرام کا یہی قول ہے ، رہے جہمی لوگ تو انہوں نے ان روایات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (صفاتِ الٰہی کا اثبات) تو (خالق کی مخلوق کے ساتھ) تشبیہ ہے۔'' (جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۶۶۲)

امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (م۳۱۱ھ) لکھتے ہیں: **باب ذكر أخبار ثابتة السّند صحيحة القوام ، رواها علماء الحجاز والعراق عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم في نزول الرّبّ جلّ وعلا الى السّماء الدّنيا كلّ ليلة ، نشهد شهادة مقرّ بلسانه ، مصدّق بقلبه ، مستيقن بما في**

هـذه الأخبـار مـن ذكـر نـزول الـرّبّ من غير أن نصف الكيفيّة ، لأنّ نبيّنا المصطفىٰ لم يصف له كيـفية نـزول خـالقنا الى سماء الدّنيا ، وأعلمنا أنّه ينزل ، واللّٰه جلّ وعلا لم يترک ولا نبيّه عليه السّـلام بيـان مـا بـالـمسـلـميـن الـحاجة اليه من أمر دينهم ، فنحن قائلون مصدّقون بما فی هذه الأخبـار مـن ذكـر الـنّـزول غيـر متـكلّفين القول بصفته أو بصفة الكيفيّة اذ النّبیّ صلّی اللّٰه عليه وسلّم لم يصف لنا كيفيّة النّزول .

''ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں ان احادیث کا بیان جن کی سند ثابت ہے اوران کی اصل صحیح ہے، ہم زبان کے اقرار، دل کی تصدیق اور یقین کے ساتھ ان احادیث میں موجود نزولِ باری تعالیٰ کے عقیدے کی بغیر کیفیت بیان کیے گواہی دیتے ہیں، کیونکہ ہمارے نبیِّ مصطفٰی ﷺ نے ہمارے خالق کے نزول کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی، پھر یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ نے کسی ایسی بات کی وضاحت نہیں چھوڑی جس کی مسلمانوں کو دینی معاملات میں ضرورت تھی، چنانچہ ہم ان احادیث میں موجود نزولِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں اوران کی تصدیق کرتے ہیں، نزول کی کیفیت بیان کرنے کا تکلف نہیں کرتے، کیونکہ نبیِ اکرم ﷺ نے ہمیں نزول کی کیفیت بیان نہیں کی۔'' (کتاب التوحید لابن خزیمة : ۱/ ۲۸۹۔۲۹۰)

امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (م۳۲۴ھ) لکھتے ہیں:

ويـصدّقون بالأحاديث الّتی جاء ت عن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم : انّ اللّٰه ينزل الی السّماء الدّنيا ، فيقول : هل من مستغفر ، كما جاء فی الحديث .

''وہ (اہل سنت والجماعت) اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کی جانے والی ان احادیث کی تصدیق کرتے ہیں جن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی معافی مانگنے والا؟ جس طرح کہ اس حدیث میں آیا ہے۔'' (مقالات الاسلاميين : ۱/ ۲۹۵)

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (م۳۶۰ھ) کہتے ہیں:

بـاب الايـمـان والتّصديق بأنّ اللّٰه عزّ وجلّ ينزل الی السّماء الدّنيا كلّ ليلة ، الايمان بهذا واجب ، ولا يسع المسلم العاقل أن يقول : كيف ينزل ؟ ولا يرد هذا الّا المعتزلة .

''اس بات پر ایمان وتصدیق کا بیان کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے، کسی عقل مند مسلمان کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح نزول فرماتا ہے؟ ان

باتوں میں صرف معتزلی لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔'' (الشریعۃ : ۲/ ۹۳)

امام ابوسعید عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ (م ۲۸۰ھ) لکھتے ہیں: **فممّا یعتبر به من کتاب اللّٰه عزّ وجلّ فی النّزول ، ویحتجّ به علی من أنکره ، قوله تعالیٰ : ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰئِكَةُ﴾** (البقرۃ : ۲۱۰) **، فالّذی یقدر علی النّزول یوم القیامة من السّماوات کلّها ، لیفصل بین عباده ، قادر أن ینزل کلّ لیلة من سماء الی سماء ، فان ردّوا قول رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی النّزول، فما یصنعون بقول اللّٰه عزّ وجلّ ، تبارک وتعالیٰ .**

''جن آیات سے نزولِ باری تعالیٰ کا اثبات اور مخالفین کا رد ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: **﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰئِكَةُ﴾** (البقرۃ : ۲۱۰) (کیا وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سایوں میں ان کا فیصلہ کرنے کے لیے آجائیں؟)، پس وہ اللہ تعالیٰ جو قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سب آسمانوں سے نزول فرما سکتا ہے، وہ ہر رات ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول فرمانے پر بھی قادر ہے، اگر وہ (منکرینِ نزولِ باری تعالیٰ) اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو ٹھکرا دیں گے تو اس فرمانِ الٰہی کا کیا جواب دیں گے؟'' (الرد علی الجهمية للدارمی : ص ۷٤)

امام عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل الصابونی رحمہ اللہ (م ۴۴۹ھ) فرماتے ہیں: **ویثبت أصحاب الحدیث نزول الرّبّ سبحانه وتعالیٰ کلّ لیلة الی السّماء الدّنیا من غیر تشبیه له بنزول المخلوقین ، ولا تمثیل ، ولا تکییف ، بل یثبتون ما أثبته رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وینتهون فیه الیه ، ویمرّون الخبر الصّحیح الوارد بذکره علی ظاهره ، ویکلون علمه الی اللّٰه .**

''محدثین ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کے نزول کو ثابت کرتے ہیں، بغیر مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیئے، بغیر مثال وکیفیت بیان کیے، بلکہ وہ اس چیز کو ثابت کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے اور وہ اس بارے میں انہی پر اکتفاء کرتے ہیں، نیز وہ نزولِ الٰہی کے بارے میں وارد ہونے والی صحیح حدیث کو ظاہری معنیٰ پر محمول کرتے ہیں (کوئی تاویل نہیں کرتے) اور اس (کی کیفیت وغیرہ) کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔'' (عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث : ص : ٤٠)

نیز لکھتے ہیں: **فلمّا صحّ خبر النّزول عن الرّسول صلّی اللّٰه علیه وسلّم أقرّ به أهل**

السّـنّة ، وقبلوا الخبر ، وأثبتوا النّزول على ما قاله رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، ولم يعتقدوا تشبيهـا لـه بـنـزول خـلقه ، ولم يبحثوا عن كيفيّته ، اذ لا سبيل اليها بحال ، وعلموا ، وتحقّقوا ، واعتـقـدوا أنّ صـفـات الـلّـه سبـحانه وتعالیٰ لا تشبه صفات الخلق ، كما أنّ ذاته لا تشبه ذوات الخلق ، تعالى اللّٰه عمّا يقول المشبّهة ، والمعطّلة علوّا كبيرا ، ولعنهم لعنا كبيرا .

''جب رسول اللہ ﷺ سے نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں حدیث صحیح ثابت ہوگئی ہے تو اہل سنت نے اس کا اقرار کرلیا اور فرمانِ رسول کے مطابق نزول کا اثبات کیا، انہوں نے اس میں مخلوق کے ساتھ تشبیہ کا اعتقاد نہیں رکھا، نہ اس کی کیفیت کے بارے میں بحث کی ہے، کیونکہ اس کی معرفت کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے، انہوں نے اس بات کا علم و یقین حاصل کیا اور اس پر اعتقاد قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتیں، جیسا کہ اس کی ذات مخلوق کی ذات سے مشابہت نہیں رکھتی، اللہ تعالیٰ مشبہۃ (صفاتِ الٰہی کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والوں) اور معطلۃ (صفاتِ الٰہی کا انکار کرنے والوں) کی باتوں سے بہت بلند ہے۔'' (عقيدة السلف اصحاب الحديث : ص ٥٨)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: والّـذی عـلیـه جـمهـور أئـمّة أهـل السّنّة أنّهم يقولون ينزل كما قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، ويصدّقون بهذا الحديث ، ولا يكيّفون ، والقول فی كيفيّة النّزول كالقول فی كيفيّة الاستواء والمجیء ، والحجّة فی ذالک واحدة .

''جمہور ائمۂ اہل سنت عقیدے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نزول فرماتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے، وہ اس حدیث کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن کیفیت بیان نہیں کرتے، کیفیت کے بارے میں وہی بات کی جائے گی جو استواء علی العرش اور مجیٔت (روزِ قیامت بندوں کے فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کے آنے) والی صفات میں کی جاتی ہے (کہ ان کی کیفیت نہ ہمیں بتائی گئی ہے اور نہ ہی اس کا سوال کیا جائے گا)، اس بارے میں دلیل ایک ہی ہے۔'' (التمهيد لابن عبد البر : ١٤٣/٧)

قوام السنہ الامام ابوالقاسم الاصبہانی رحمہ اللہ (م ۵۳۵ھ) لکھتے ہیں: مـن مـذهـب أهل السّنّة : الايـمـان بـجميع ما ثبت عن النّبیّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فی صفات اللّٰه تعالیٰ كحديث ينزل اللّٰه تعالیٰ كلّ ليلة الى سماء الدّنيا .

''اہل سنت کے مذہب میں یہ بات شامل ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ سے

جو کچھ بھی ثابت ہے، سب پر ایمان لایا جائے، جیسا کہ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ باری تعالیٰ کی حدیث ہے۔'' (الحجة فی بیان المحجة وشرح عقیدة اهل السّنّة : ۲۹۰/۲)

نیز لکھتے ہیں: ذکر علیّ بن عمر الحربیّ فی کتاب السّنّة أنّ اللّٰه تعالیٰ ینزل کل لیلة الی سماء الدّنیا ، قاله النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم من غیر أن یقال : کیف ؟ فان قیل یَنزِل أو یُنزِل ، قیل : یَنزِل ، بفتح الیاء وکسر الزّای ، ومن قال : یُنزِل ، بضمّ الیاء ، فقد ابتدع ، ومن قال: یُنزِل نورا وضیاء ، فهذا أیضا بدعة ، وردّ علی النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم .

''علی بن عمرالحربی رحمہ اللہ نے کتاب السّنّة میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس بات کو نبیِ اکرم ﷺ نے بغیر کسی کیفیت کے بیان فرمایا ہے، اگر کہا جائے کہ وہ نازل ہوتا ہے یا نازل کرتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے، جو کہے کہ وہ نازل کرتا ہے، وہ بدعتی ہو گیا اور جو کہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نور اور روشنی نازل کرتا ہے تو یہ بھی بدعت ہے اور نبی ﷺ کی مخالفت ہے۔''

(الحجة فی بیان المحجة وشرح عقیدة اهل السّنّة : ۲۴۸/۱۔۲۴۹)

امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ (م ۲۸۰ھ) لکھتے ہیں: فهذه الأحادیث قد جاءت کلّها وأکثر منها فی نزول الرّبّ تبارک وتعالیٰ فی هذه المواطن ، وعلیٰ تصدیقها والایمان بها أدرکنا أهل الفقه والبصر من مشایخنا ، لا ینکرها منهم أحد ، ولا یمتنع من روایتها ، حتّی ظهرت هذه العصابة ، فعارضت آثار رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم برد وتشمّروا لدفعها بجد، فقالوا : کیف نزوله هذا ؟ قلنا : لم نکلّف معرفة کیفیّة نزوله فی دیننا ، ولا تعقله قلوبنا ، ولیس کمثله شیء من خلقه ، فنشبّه منه فعلا أو صفة بفعالهم وصفتهم ، ولکن ینزل بقدرته ولطف ربوبیّته کیف یشاء ، والکیف منه غیر معقول ، والایمان بقول رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی نزوله واجب ، ولا یسأل الرّبّ عمّا یفعل ، کیف یفعل ، وهم یسألون ، لأنّه القادر علی ما یشاء أن یفعله کیف یشاء ، وانّما یقال لفعل المخلوق الضّعیف الّذی لا قدرة له الّا ما أقدره اللّٰه تعالیٰ علیه کیف یصنع به ؟ وکیف قدر ؟ ولو کنتم آمنتم باستواء الرّبّ علی عرشه وارتفاعه فوق السّماء السّابعة بدءا اذا خلقها کایمان المصلّین به لقلنا لکم : لیس نزوله من سماء الی سماء بأشدّ علیه ولا بأعجب من استوائه علیها اذ خلقها بدءا ، فکما قدر علی الأولیٰ منهما کیف یشاء ، فکذلک یقدر علی الأخری کیف یشاء ، ولیس قول رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی نزوله بأعجب من قول اللّٰه تبارک وتعالیٰ : ﴿ هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَ الۡمَلٰٓئِکَةُ ﴾(البقرة: ۲۱۰) ومن

قوله : ﴿وَجَاءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر : ٢٢) فکما یقدر علی هذا یقدر علی ذاک ، فهذا النّاطق من قول الله عزّ وجلّ ، وذاک المحفوظ من قول رسول الله صلّی الله علیه وسلّم بأخبار لیس علیها غبار ، فان کنتم من عباد الله المؤمنین لزمکم الایمان بها کما آمن بها المؤمنون ، والّا فصرّحوا کما تضمرون ، ودعوا هذه الأغلوطات الّتی تلوون بها ألسنتکم ، فلئن کان أهل الجهل فی شکّ من أمرکم ، انّ أهل العلم من أمرکم لعلیٰ یقین .

''ان جگہوں میں یہ ساری کی ساری احادیث اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزول کے بارے میں ہیں، ہم نے اپنے اہل فقہ وبصیرت اساتذہ کوان کی تصدیق کرتے اوران پرایمان لاتے ہی دیکھا ہے، ان میں سے کوئی ان کا انکارنہیں کرتا تھا نہ ہی ان کو بیان کرنے سے رکتا تھا، یہاں تک کہ یہ (جہمی) گروہ ظاہر ہوگیا، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث کورد کیا اوران کی بڑے زور سے مخالفت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ نزول کیسا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں دین میں اس کی کیفیت جاننے کا مکلّف نہیں بنایا گیا، نہ ہی ہماری عقلیں اس کو سمجھ سکتی ہیں، نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس سے مشابہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فعل وصفت میں ان کے افعال و صفات میں تشبیہ ہی دے سکیں، البتہ (ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ) وہ اپنی قدرت اور کمال ربوبیت سے جیسے چاہتا ہے نزول فرماتا ہے، اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان پرایمان لانا واجب ہے، رب تعالیٰ سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیسے کرتا ہے، ہاں بندوں سے پوچھا جائے گا، کیونکہ وہ جسے چاہے، جیسے چاہے کرنے پر قادر ہے، کیسے کرنے اورکس طرح قدرت پانے کا سوال تو اس کمزور مخلوق کے بارے میں کیا جائے گا جس کے پاس کوئی قدرت وطاقت نہیں، سوائے اس قدرت کے جو اللہ تعالیٰ اسے دے، (اے جہمی گروہ!) اگرتم اللہ تعالیٰ کے آسمانوں کو پیدا کرتے وقت عرش پر مستوی ہونے اور شروع سے ہی ساتویں آسمان پر بلند ہونے پر مسلمانوں کی طرح ایمان لاتے ہو تو ہم تم سے کہتے ہیں کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول آسمانوں کو پیدا کرتے وقت عرش پر مستوی ہونے سے زیادہ مشکل اور زیادہ قابل تعجب نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ پہلے معاملے (استواء) پر اپنی چاہت کے مطابق قادر ہوگیا، اسی طرح دوسرے معاملے (نزول) پر اپنی چاہت کے مطابق قادر ہوگیا، رسولِ کریم ﷺ کا نزولِ باری تعالیٰ والا فرمان اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان دوفرمانوں سے زیادہ قابل تعجب نہیں: ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِکَةُ﴾ (البقرۃ : ٢١٠) (وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ

اوراس کے فرشتے بادلوں کے سایوں میں آجائیں) ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر: ۲۲)
(اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے صف در صف آئیں گے) تو جس طرح اللہ تعالیٰ ان افعال پر قادر ہے، اس نزول پر بھی قادر ہے، اُدھر آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ بولتے ہیں اور اِدھر یہ حدیث آپ ﷺ سے ایسی سندوں کے ساتھ منقول ہے کہ جن پر کوئی اعتراض نہیں، (اے جہمیو!) اگر تم اللہ کے مومن بندوں میں سے ہو تو تمہارے لیے ان احادیث پر اسی طرح ایمان لانا واجب ہے جس طرح ان کے ساتھ مومن لوگ ایمان لائے، ورنہ جو (کفر) دلوں میں چھپائے پھرتے ہو، اسے ظاہر کر دو اور اپنی زبانوں کے ساتھ کی جانے والی ان باطل اور جھوٹی تاویلوں کو چھوڑ دو، اگر جاہل لوگ تمہارے بارے میں شک میں مبتلا ہیں تو اہل علم تو تمہارے معاملے (گمراہی) میں یقین پر ہیں۔'' (الرد علی الجهمية للدارمی: ص ۹۳۔۹۴)

نیز فرماتے ہیں: فادّعیٰ المعارض أنّ اللّٰه لا ينزل بنفسه ، انّما يُنزِل أمره ورحمته ، وهو على العرش ، وبكلّ مكان من غير زوال ، لأنّه الحيّ القيّوم ، والقيّوم بزعمه من لّا يزول ، فيقال لهذا المعارض : وهذا أيضا من حجج النّساء والصّبيان ومن ليس عنده بيان ، ولا مذهبه برهان ، لأنّ أمر اللّٰه ورحمته ينزل فی كلّ ساعة ووقت وأوان ، فما بال النّبیّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يحدّ لنزوله اللّيل دون النّهار ؟ وبوقت من اللّيل شطره أو الأسحار ، أفأمره ورحمته يدعوان العباد الى الاستغفار ، أو يقدر الأمر والرّحمة أن يتكلّما دونه ، فيقولا : هل من داع ، فأجيب ؟ هل من مستغفر ، فأغفر له ؟ هل من سائل ، فأعطيه ؟ فان قرّرت مذهبک لزمک أن تدّعی أنّ الرّحمة والأمر هما اللّذان يدعوان الى الاجابة والاستغفار بكلاهما دون اللّٰه ؟ وهذا محال عند السّفهاء ، فكيف عند الفقهاء ؟ قد علمتم ذلک ، ولكن تكابرون ، وما بال رحمته وأمره ينزلان من عنده شطر اللّيل ، ثمّ لا يمكثان الّا الىٰ طلوع الفجر ، ثمّ يرفعان ، لأنّ رفاعة يرويه ، يقول فی حديثه : حتّى ينفجر الفجر ، قد علمتم ان شاء اللّٰه أنّ هذا التّأويل أبطل باطل ، لا يقبله الّا كلّ جاهل .

''مخالف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود نزول نہیں فرماتا، بلکہ وہ خود عرش پر اور ہر جگہ رہتے ہوئے بغیر اپنی جگہ چھوڑے اپنے حکم اور اپنی رحمت کو نازل فرماتا ہے، کیونکہ وہ زندہ اور قیوم ہے، اس کے خیال میں قیوم وہ ہوتا ہے جو اپنی جگہ نہ چھوڑے، اس مخالف کو کہا جائے گا کہ یہ بھی عورتوں اور بچوں کے جیسی دلیل ہے، نیز اس شخص کی طرح جس کے پاس کوئی بات نہ ہو، نہ ہی اس کے مذہب کی کوئی دلیل ہو، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی رحمت تو ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہے، پھر کیا بات ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اس کے نزول کو دن کی

بجائے رات کے ساتھ خاص فرما رہے ہیں، نیز رات کا بھی نصف یا سحری کا وقت اس کے لیے مخصوص کر رہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا امر لوگوں کو استغفار کا حکم دیتے ہیں اور کیا وہ دونوں چیزیں ذاتِ الٰہی کے بغیر بولنے کی طاقت رکھتی ہیں کہ وہ کہیں، کیا کوئی پکارنے والا ہے، میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کیا کوئی معافی طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو معاف کروں؟ کیا کوئی سوالی ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ اپنے مذہب پر ثابت رہنے کے لیے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ امر اور رحمت دونوں بول کر اجابت اور استغفار کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، یہ بات کرنا تو بیوقوفوں کے حق میں بھی ناممکن ہے، چہ جائیکہ عقل مند ایسی بات کریں؟ تمہیں اس بات کا علم ہو چکا ہے، لیکن تم تکبر کا شکار ہو چکے ہو، یہ کیا ہے کہ اس کا امر اور اس کی رحمت رات کے ایک حصے میں اترتے ہیں، پھر صرف فجر طلوع ہونے تک ٹھہر کر اٹھا لیے جاتے ہیں؟ اس حدیث کے راوی سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نزول کا یہ معاملہ فجر کے طلوع ہونے تک جاری رہتا ہے، اللہ کی توفیق سے آپ نے جان ہی لیا ہوگا کہ یہ تاویل ابطل الاباطیل ہے، اسے جاہل ہی قبول کر سکتا ہے۔'' (الرد علی المریسی:۵۱-۵۲)

الحافظ الامام المقری ابو عمر واحمد بن محمد بن عبداللہ الطلمنکی رحمہ اللہ (م ۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

وأجمعوا على أنّ اللّٰه ينزل كلّ ليلة الى سماء الدّنيا ، على ما أتت به الآثار ، كيف شاء ، لا يحدّون في ذلك شيئا .

''اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، نیز اس پر احادیث بھی موجود ہیں، یہ نزول اسی طرح ہے، جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، مسلمان اس بارے میں کسی (کیفیت کی) تعیین نہیں کرتے۔'' (مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ۵/۵۷۷)

اس صراحت کے باوجود موجودہ دور میں جہم بن صفوان (م ۱۲۸ھ) کی ذریت نزولِ باری تعالیٰ کے متعلق احادیث کی تاویل میں پڑی ہوئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نزول کا انکار کرتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خصوصی رحمت بھیجتا ہے یا حکم نازل فرماتا ہے یا فرشتہ بھیجتا ہے یا نزولِ اجلال کرتا ہے وغیرہ۔

یہ تاویل قرآن، حدیث، اجماعِ امت اور ائمہ محدثین وسلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف ہے، اس لیے یہ باطل، بلکہ ابطل الاباطیل ہے۔

اس کے باوجود یہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے نہیں تھکتے، اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلیلہ کے بارے

میں قرآن وحدیث اجماعِ امت اور تمام ائمہ محدثین کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو ''سُنّی'' کہلانے کا کیا حق ہے؟ ہمیں ائمہ محدثین کا عقیدہ مبارک اور ان کو جہم بن صفوان (م ۲۱۸ھ)، جعد بن درہم، بشر بن غیاث المریسی (م ۲۲۸ھ)، قاضی احمد بن ابی داؤد (م ۲۴۰ھ)، واصل بن عطاء (م ۱۳۱ھ)، محمد بن حسن الشیبانی (م ۱۷۹ھ)، ابنِ عربی (م ۶۳۸ھ)، ابنِ سبعین (م ۶۶۹ھ) اور ابنِ سینا وغیرہ مبارک ہوں!

تنبیہ : اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جب نزول فرماتے ہیں تو کیا اس وقت عرش خالی ہو جاتا ہے؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ سوال بدعت ہے، اس نزول کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، جس کے بارے میں شریعت خاموش ہے، ہم بھی خاموش رہیں گے، صحابہ اور محدثین اس پر سکوت کرتے ہیں، ہم بھی سکوت کرتے ہیں۔ والحمد للہ!

فائدہ : احادیثِ نزولِ باری تعالیٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے، ہر جگہ موجود نہیں، جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: **وفیہ دلیل علیٰ أنّ اللّٰہ عزّ وجلّ فی السّماء علی العرش من فوق سبع سماوات، کما قال الجماعة، وھو من حجّتھم علی المعتزلة والجھمیّة فی قولھم: انّ اللّٰہ عزّ وجلّ فی کلّ مکان، ولیس علی العرش.**

''نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ عزوجل ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر بلند ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، اس کے برعکس معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، عرش پر بلند نہیں ہے، یہ حدیث ان کے خلاف (زبردست) حجت ہے۔''

(التمھید لابن عبد البر : ۱۲۹/۷)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: **فعلیٰ ھذا أھل الحقّ .**

''اہل حق کا یہی عقیدہ ہے (کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے، ہر جگہ نہیں)۔'' (التمھید لابن عبد البر : ۸۰/۲۲)

یعنی جو اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتا، بلکہ ہر جگہ مانتا ہے، وہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ بلکہ تمام محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک حق پر نہیں ہے، بلکہ باطل پرست ہے۔ والحمد للہ علی ذلک!

الحاصل : نزولِ باری تعالیٰ صفاتِ باری تعالیٰ میں سے ایک صفتِ فعلیہ ہے اور یہ نزول حقیقی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے۔

صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث ①

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

ایک مسلمان کے لیے جس طرح قرآنِ کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی طرح نبیِ اکرم ﷺ کے فرامین کو بھی بلا چوں چرا تسلیم کرنا اور ان کی تعمیل کرنا بھی فرض ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا، وہاں اپنے نبی کی اطاعت وفرمانبرداری کو بھی حتمی قرار دیا ہے، اس لیے کہ کلامِ الٰہی کو سمجھنا توضیحِ رسول پر موقوف ہے، مثلاً قرآنِ کریم میں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے اور دیگر شرعی احکام کو بجا لانے کا اجمالی حکم موجود ہے، تفصیل اور طریقۂ ادائیگی کا علم تو ارشاداتِ نبوی کی رہنمائی سے ہی ممکن ہوگا، رسولِ کریم ﷺ کے انہی ارشادات کو جمع ومحفوظ اور ملاوٹ سے مامون رکھنے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر ہی محدثین نے اپنی زندگیاں وقف کیں، تب یہ ذخیرۂ حدیث ہم تک پہنچا، اور پہنچتا بھی کیوں نہ کہ یہ دین ہے اور دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، یہی ارشاداتِ نبوی کتبِ احادیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں، ان کتب میں محدثین نے سندوں کا اہتمام کر کے ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں اس کی مثال نہیں ملتی، گویا یہ قیامت تک کے لیے اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

امامِ بخاری رحمہ اللہ اور ان کی عظیم الشان کتاب ''صحیح بخاری'' کو جو مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا اور تمام اہلِ اسلام نے متفقہ طور پر صحیح بخاری کو جس قدر کامل یقین سے قبول کیا، وہ محتاجِ بیان نہیں، یہی وجہ ہے کہ منکرینِ حدیث کو احادیثِ رسول ﷺ کا یہ صحیح ترین مجموعہ ایک آنکھ نہیں بھاتا، کیونکہ اس کتاب کی صحت ان کے انکارِ حدیث پر ضربِ کاری ہے، لہٰذا امتِ مسلمہ کے اتفاق کو لات مارتے ہوئے انہوں نے صحیح بخاری پر اعتراضات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے، لیکن ان ناعاقبت اندیشوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ صحیح بخاری پر اعتراض چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے، چنانچہ ان کے اعتراضات صحیح بخاری کی شان کم کرنے کے بجائے ان کی اپنی دروغ گوئی، لاعلمی اور جہالت کا پول کھولتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان معترضین کو اپنے اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کے لیے عموماً امام بخاری رحمہ اللہ کی ذات ہی نظر آتی ہے، حالانکہ جن صحیح احادیث پر یہ لوگ حملہ کرتے ہیں، وہ امام بخاری رحمہ اللہ

کے علاوہ ان سے پہلے اور بعد کے دوسرے محدثین نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ بیان کی ہوتی ہیں، لیکن چونکہ ذخیرۂ حدیث میں صحیح بخاری کو سب سے اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے، لہٰذا ان کی ہر چند یہ کوشش ہوتی ہے کہ احادیثِ نبوی کے اسی صحیح ترین مجموعہ کو مشکوک بنا دیا جائے تا کہ عوام کے ذہن سے دوسری کتبِ حدیث کی وقعت خود بخود ختم ہو جائے، مگر ان کی یہ کوشش کبھی بھی ثمر آور نہ ہو سکے گی۔ان شاء اللہ !

شبیر احمد از ہر میرٹھی نامی ایک شخص نے **''صحیح بخاری کا مطالعہ، بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق و تنقید''** کے نام سے ایک ایسی ہی بے کار کوشش کی ہے، آیئے عدل وانصاف کے ترازو میں اس فضول کاوش کا وزن کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر ان کے یہ اعتراضات پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے ، بلکہ صحیح بخاری پر ان کی یہ خامہ فرسائی خود ان کی رسوائی کا سبب بنی ہے، انہوں نے صحیح بخاری کو انکارِ حدیث کی عینک لگا کر پڑھا ہے، واضح بات ہے کہ اس صورتِ حال میں اعتراضات کے سوا اور کسی ردِّ عمل کی توقع نہیں ہو سکتی تھی، اس طریقے سے تو اگر کسی نے قرآنِ کریم کا بھی مطالعہ کیا ہے تو اسے بھی اعتراضات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا، مشرکینِ مکہ نے کیا قرآنِ مجید پر طرح طرح کے اعتراضات نہیں کیے تھے؟ اور مزے کی بات یہ ہے کہ منکرینِ حدیث کی طرح منکرینِ قرآن کا بھی بڑا اعتراض یہی تھا کہ قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا ہماری عقل میں نہیں آتا، یہ اللہ کی کلام نہیں، بلکہ خود گھڑ لیا گیا ہے، حالانکہ اگر قرآنِ کریم کے لطیف معانی ان کی عقل میں نہ آتے تھے تو ان کا فرض اپنی عقل کا قصور تسلیم کر کے اس الٹی عقل کو سیدھا کرنا تھا، نہ کہ قرآنِ کریم کا انکار کرنا، اب کے منکرینِ حدیث بھی صحیح بخاری کی احادیث پر بے تکے اعتراضات کرتے ہوئے بڑے زور سے کہتے ہیں:

''کیا یہ ممکن ہے؟ اگر کوئی کہے کہ یہ ممکن ہے تو محال و ناممکن، بے معنیٰ بات ہے۔۔۔۔ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل عقل میں آنے والی نہیں ہے۔۔۔۔ہر گز سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔۔۔۔''

(«صحیح بخاری کا مطالعہ» ، حصہ اول : ۱۴۸۔۱۵۱)

حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنی عقلِ نارسا کا علاج کرواتے اور اسے اس قابل بناتے کہ احادیثِ نبویہ ان کی سمجھ میں آ جاتیں، لیکن انہوں نے ان پر اعتراضات کرنے کی ٹھان لی ہے، اگر اسی طرح کوئی منکرِ قرآن کہہ دے کہ قیامت وغیرہ کے حالات کے بارے میں قرآنی تبصرہ جات میری عقل تسلیم نہیں کرتی تو کیا وہ حق پر ہوگا؟ جو جواب قرآنِ کریم کی طرف سے منکرینِ قرآن کو دیا جائے گا، وہی صحیح حدیث کی طرف سے منکرینِ

حدیث کو دے دیا جائے گا۔

پھر اس سے بڑھ کر عقل کا دشمن کون ہوگا جو آج اٹھ کر امام بخاری سمیت تمام محدثین وفقہاء اور سلف صالحین کو فہمِ حدیث سے کورا قرار دے کر خود کو بڑا محقق و ناقد خیال کرتا پھرے، جیسا کہ شبیر احمد از ہر میرٹھی صاحب نے لکھا ہے:

''اسے پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ خلش ضرور پیدا ہوگی کہ صحیح بخاری بڑی معروف و مستند اور مقبولِ عام کتاب ہے، جب سے یہ کتاب معرضِ وجود میں آئی ہے، ہر دور میں ہزاروں کی تعداد میں طلبۂ علم مدارسِ دینیہ میں صحیح بخاری پڑھنے سننے کا شرف حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور سند و دستارِ فضیلت پاتے ہیں، بلند پایہ علمائے کرام کے جمِ غفیر نے یکے بعد دیگرے اس کی مبسوط شرحیں لکھی ہیں، لیکن کسی شارح، کسی محشّی اور کسی مستند عالم نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی کہ اس أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ میں بے سروپا اور باطل حدیثیں بھی ہیں، جو بات متقدمین ومتاخرین علمائے عظام میں سے کسی پر نہیں کھلی، وہ اس کس مپرس شخص شبیر احمد از ہر میرٹھی پر کیسے کھل گئی؟۔۔۔

۔۔۔۔ٹھیک ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے اول سے آخر تک صحیح بخاری کی ہر حدیث کو اس انداز سے (انکارِ حدیث کی عینک لگا کر۔از ناقل) نہیں پڑھا، اسی لیے کوئی صاحبِ نظر ان اغلاط سے واقف بھی نہیں ہوا جن سے میں واقف ہوا ہوں۔۔۔۔

اور دیگر ثقہ محدثین کی طرح بخاری کے یہاں بھی بھول چوک اور قصورِ بیان و غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» حصہ دوم: ۳۸۲۔۳۸٤)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ کتنی بے باکی سے یہ ''محقق و ناقد'' صاحب سب سلف صالحین کی عقل کو ناقص قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو سب سے بڑا اعقل مند تصور کر رہے ہیں، یہ محض ان کی خوش فہمی ہے، ورنہ عام تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ اپنے علاوہ سب لوگوں کی عقل کو مطعون کرنے والا درحقیقت خود بے عقل اور پاگل ہوتا ہے، ایسے آدمی کو پہلی ہی فرصت میں دماغی امراض کے خصوصی ہسپتال میں داخل کروا دینا چاہیے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یقیناً ایک انسان تھے، ان سے خطا ونسیان کا صدور یقیناً ممکن تھا، لیکن منکرینِ حدیث کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم صرف ان کے صحیح کہہ دینے کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ صحیح بخاری کی تمام ''مرفوع، متصل'' احادیث صحیح ہیں، بلکہ امت کے اس کی صحت پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں اور امت کا

اجماع بالاتفاق ایک معصوم شرعی دلیل ہے، کیونکہ بقولِ رسولِ کریم ﷺ امتِ مسلمہ کبھی گمراہی پر اجماع نہیں کرسکتی (المستدرك للحاكم: ١/ ٢٠٠، وسندهٔ صحيحٌ) ، جب کسی بات پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے تو یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

نیز صحیح بخاری کی صحت پر پوری امتِ مسلمہ کے اجماع و اتفاق کے باوجود ان کو جو اس میں بھول چوک، قصورِ بیان اور غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملی ہیں تو کیا یہ خود کو غلط فہمی سے مبرا سمجھتے ہیں؟ کیا عجب ہے کہ ان کو ساری امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے میں جو غلط فہمیاں نظر آئی ہیں، وہ درحقیقت ان کی اپنی ہی غلط فہمیاں ہوں اور یقیناً ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے، پھر انہی غلط فہمیوں پر یہ خوش فہمی کا شکار ہوئے بیٹھے ہیں!!!

اسی خوش فہمی یعنی غلط فہمی میں انہوں نے صحیح بخاری کے متعلق امتِ مسلمہ کے اجماعی عقیدے کو ''ایک مبالغہ آمیز بات'' قرار دیا ہے، کہتے ہیں:

''عموماً اہلِ علم ونظر کو صحیح بخاری کی حدیثوں کو پرکھنے سے تین وجوہ نے روکا ہے، اول یہ کہ کسی نے اس کے متعلق یہ مبالغہ آمیز بات کہہ دی تھی کہ أصحّ الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاريّ ، ایسی ہی مبالغہ آمیز بات پہلے امام مالک کی موطا کے متعلق کہی گئی تھی مگر صحیح بخاری کے متعلق کہی گئی بات زیادہ پھیل گئی، بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنّفین نے اسے خوب ہوا دی۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» حصہ دوم: ٣٨٣)

اس حدیث اور محدثین دشمنی کا کیا کیا جائے؟ ایسی عقل پر تو ماتم ہی کیا جاسکتا ہے جو امت کے کبار علمائے کرام و محدثین عظام کو بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنّفین قرار دیتی ہے، جبکہ شارحِ مسلم حافظ نووی، حافظ ابن الصلاح، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن ملقن اور شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر وغیرہم رحمہم اللہ نے صحیح بخاری کو أصحّ الكتب بعد كتاب الله قرار دیا ہے۔

یقیناً امت کے اجماع و اتفاق کو ٹھکرانے اور علمائے امت کو بے علم اور غیر محتاط قرار دینے والا شخص خود ''چور بھی کہے چور چور'' کا مصداق ''بے علم واعظ اور غیر محتاط مصنف'' ہے۔

اسی پر بس نہیں، بلکہ انہوں نے احادیثِ نبوی کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کرنے والے راویانِ حدیث اور ائمہ دین کے خلاف بکواس کرکے اپنی عقبیٰ بھی خراب کرلی ہے، قارئین ذرا ان کی واہی تباہی ملاحظہ فرمائیں:

''عموماً راویانِ احادیث عقل وفہم سے بے بہرہ تھے، نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» حصہ اول: ٢٧۔٢٨)

یہ بھی حقیقت ہے کہ موصوف ایک ایک محدث کی شان میں گستاخی کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے، اہل اسلام کے جذبات سے کھیلتے ہوئے انہوں نے محسنینِ اسلام اور سب مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام کبار محدثین کے بارے میں جو بکواسات بکی ہیں، ان کی ایک جھلک قارئین کی نظر کی جاتی ہے :

امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رہے زہری سے لے کر بخاری وغیرہ تک اسے روایت کرنے والے محدثین تو ان غریبوں کو بس شیخ سے سنی ہوئی سندیں اور حدیثیں یاد کر لینے، لکھ لینے اور پھر روایت کرنے کے مشغلہ نے اتنی فرصت ہی نہ دی تھی کہ قرآن کو سمجھ بوجھ کر پڑھتے۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۳۰۵/۲)

صحیح بخاری کی ایک حدیث کو قرآن میں تحریف قرار دیتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں:

''وہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمادیا ہے، ورنہ تابعین واتباعِ تابعین کے بعد محدثین اور راویانِ اخبار نے اس میں تحریفات کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱۸۱/۱۔۱۸۲)

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کاش محدثین کا یہ نہایت غیر عاقلانہ طرزِ کار نہ ہوتا جو علم وطلبِ علم کے بالکل منافی ہے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۲۸۸/۲)

اسی طرح عقل کے ان دشمنوں نے صحیح بخاری کی دیگر بہت سی روایات کو بھی ''نامعقول، بے ہودہ، فضولیات اور الٹی سیدھی غلط سلط باتیں'' قرار دیا ہے۔(دیکھیں «صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۳۱/۱،۳۲،۴۳)

امام مسلم رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے: ''امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ جھوٹی کہانی ثبت فرمادی تھی۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۳۱/۲)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے متعلق انتہائی غلیظ زبان استعمال کی ہے، کہتے ہیں:

''اس کو تخریج کرنے کی شدید احمقانہ غلطی ابوداؤد سجزی نے کی ہے'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۳۶/۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے: ''نہ معلوم ترمذی نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کر کے کس اجر وثواب کی توقع کی تھی؟'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱۰۱/۱)

امام ابنِ ماجہ اور ان کے اساتذہ رحمہم اللہ کے بارے میں ان کی ''بک بک'' کچھ اس طرح ہے:

''یہ بات نقل کرتے ہوئے نہ ابنِ ماجہ نے کچھ عقل سے کام لیا، نہ ان کے شیخ علقمہ بن عمرو دارمی نے، نہ ان کے شیخ ابوبکر بن عیاش نے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۳۸/۱)

اور تو اور موصوف نے صحابہ کرام پر بھی طعن کرنے سے احتراز نہیں کیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: "پھر ابو ہریرہ سے یہ غلطی ہوئی۔۔۔" («صحیح بخاری کا مطالعہ»: ۲۵۴/۲)

نیز صحابیٔ رسول سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مشکوک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت براء بن عازب نابالغ اور تقریباً نو سالہ بچے تھے، اکابر صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ حدیث مروی نہیں ہے۔"

(«صحیح بخاری کا مطالعہ»: ۴۶/۱)

صحابہ کرام کی نفوسِ قدسیہ کی "غلطیاں" نکالنے کی حرکتِ شنیعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ موصوف دراصل رافضی ہیں اور تقیہ کر کے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور یوں دینِ اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

کاش کہ جہالت وظلمت کے اندھیروں میں مشعلِ راہ ثابت ہونے والے سلف صالحین و محدثین کو "بے عقل" اور "احمق" کہنے والے احمقوں کی مائیں ہی بانجھ ہو جاتیں، وہ پیدا ہی نہ ہوتے، تاکہ ہمیں آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا!

پھر ان کا یہ جھوٹ بھی بکری کو اونٹ کہنے کے مترادف ہے کہ "کوئی صاحبِ علم ان اغلاط سے واقف نہیں ہوا جن سے میں ہوا ہوں"، حالانکہ ہماری آئندہ کی وضاحت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ ان کے جتنے بھی بڑے بڑے اعتراضات ہیں، صدیوں پہلے محدثین نے ان کا ذکر کیا ہے اور وہ ان کے شافی و کافی جوابات دے کر بخاری کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے چکے ہیں۔

چونکہ حدیثِ نبوی کا دفاع ہمیں محدثین کرام سے وراثت میں ملا ہے، لہٰذا ہر دور میں حدیث کے خلاف اٹھنے والی آواز کو اہل الحدیث نے دبایا ہے، سلف صالحین کی پیروی میں ہم بھی اس کتاب میں صحیح بخاری پر کیے گئے ایک ایک اعتراض کا جواب قرآن وسنت اور فہمِ سلف کی روشنی میں پیش کریں گے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ان کی بے عقلی اور بے وقوفی کو نشانِ عبرت بنا دیں گے۔ ان شاء اللہ

سرِ دست ہم حدیثِ افک پر وارد کیے گئے تمام اعتراضات کا منصفانہ جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حدیثِ افک پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

اجمالی جواب

بخاری ومسلم کی احادیث کے صحیح ہونے پر امت کے اجماع والی قطعی دلیل تو ہے ہی، لیکن اس سے قطع

نظر خود حدیثِ افک کی صحت پر بھی ساری امت کے محدثین کا اجماع و اتفاق ہے، شروع سے لے کر آج تک کے علماء و محدثین نے عقیدے، تفسیر، حدیث، لغت اور دیگر کتابوں میں اس حدیث سے حجت لی ہے، آیئے اس کا سرسری سا خاکہ دیکھتے ہیں:

حدیثِ افک عقائد میں : درجِ ذیل ائمہ کرام نے حدیثِ افک کو عقیدہ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے:

① ☆ **امام عبداللہ بن احمد بن حنبل (۲۱۳ـ۲۹۰ھ)**(السّنّة لعبدالله بن احمد : ١٤٣/١) ، ② ☆ **امام آجری (م۳۶۰ھ)**(الشريعه : ١١٩/٥) ، ③ **امام بیہقی (م۴۵۸ھ)**(الاسماء والصفات للبيهقى : ٤٥/٢) **وغیرہم** رحمہم اللہ

دین میں عقیدے کی اہمیت کسے معلوم نہیں، کیا جو" کہانی شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ" ہو، اس سے محدثین نے مسلمانوں کو عقیدہ ثابت کر کے دیا ہے؟ اس پر طرہ یہ کہ کسی ایک نے بھی ان کے اس کام کو غلط قرار نہیں دیا، کیا سلف صالحین اپنے عقیدے کی بنیاد جھوٹی کہانیوں پر رکھتے تھے۔

حدیثِ افک کو جھوٹ قرار دینا (نعوذ باللہ) سلف صالحین کو بدعقیدہ قرار دینے کی ایک خفیہ سازش ہے اور جو شخص سلف صالحین کے بارے میں ایسا ذہن رکھتا ہے، اس کی گمراہی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

حدیثِ افک تفسیر میں : درجِ ذیل علمائے تفسیر نے اس حدیث کو سورۂ نور کی تفسیر میں پیش کیا ہے:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ)(تفسير طبرى: ١٩ /١٢٠) ، **امام ابن ابی حاتم (م۳۲۷ھ)**(تفسير ابن ابى حاتم : ١٠ /٤٤) ، **حافظ ابومحمد الحسین بن مسعود بغوی (م۵۱۰ھ)**(معالم التنزيل : ٦ /١٨) ، **امام ابنِ کثیر (۷۰۰ـ۷۷۴ھ)**(تفسير ابنِ كثير :٣ /٣٢٧) ، **علامہ رازی (۵۴۴ـ۶۰۶ھ)**، **علامہ قرطبی (م۶۷۱ھ)**، **علامہ سیوطی (۸۴۹ـ۹۱۱ھ)** **وغیرہم** رحمہم اللہ۔

سب مفسرین کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، صرف اتنی بات یاد رہے کہ صحابہ کرام و تابعین عظام سے لے کر آج تک جتنے بھی مسلمانوں نے قرآنِ کریم کی تفاسیر لکھی ہیں، سب نے بالاتفاق سورۂ نور کی آیت مبارکہ:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْإِفْكِ... ﴾ (النور : ١١) کی تفسیر میں اسی حدیثِ افک کو ہی اس آیت کا شانِ نزول بتایا ہے، بلکہ اس کی صحت پر سب کا یقین بھی تھا، بعض نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے، جیسا کہ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وسبب نزولها ما رواه الأئمّة من الحديث الافك الطّويل فى قصّة عائشة رضوان الله عليها ، وهو خبر صحيح مشهور ، أغنى اشتهاره عن ذكره ، وسيأتى مختصرا .

''اس آیت کا شانِ نزول وہ لمبی حدیثِ افک ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے، یہ حدیث صحیح ومشہور ہے، اس کی شہرت نے یہاں اس کے تذکرے کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے، عنقریب اس کا مختصر بیان آئے گا۔'' (تفسیر القرطبی: ۱۲/ ۱۹۷)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین الرازی (م ۶۰۶ ھ) لکھتے ہیں:

وأجمع المسلمون على أنّ المراد ما أفک به على عائشة .

''تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت والا واقعہ ہے۔'' (تفسیر الکبیر للرازی: ۱۱/ ۲۶۶)

ہمارا میرٹھی صاحب سے سوال ہے کہ علامہ رازی سے پہلے کسی مسلمان سے اس حدیث کا انکار ثابت کریں، ورنہ اجماعِ امت سے کنارہ کش ہو کر قرآن وسنت کے خلاف گمراہی والا راستہ اختیار نہ کریں۔

ان سے سوال ہے کہ کیا صحابہ وتابعین اور ائمہ محدثین میں سے کسی کو آپ جتنی بھی عقل نصیب نہیں ہوئی تھی، اگر اس بات میں کوئی وزن ہوتا تو سب نہیں، چلو کوئی ایک محدث ہی آپ کی طرح یہ کہہ دیتا کہ ''افک کی کہانی جو شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔''

ایسی عقل تو اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی نہ دے جو ساری کائنات کی عقلوں کو ناقص قرار دے کر اپنے آپ کو کامل قرار دے!!!

حدیثِ افک کتبِ حدیث میں: جب سے تدوینِ حدیث کا آغاز ہوا ہے، ائمہ محدثین بالتواتر حدیثِ افک کو اپنی کتابوں میں درج فرماتے آئے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درجِ ذیل محدثین نے اس حدیث کو اپنی سند سے بیان کیا تھا:

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ) (مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۴۱۰)، **امام حمیدی (م ۲۱۹ھ)** (مسند الحمیدی:)، **امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ)** (مسند اسحاق بن راھویہ: ۲/ ۵۲۵)، **امام ابنِ ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)** (مصنف ابنِ ابی شیبۃ: ۵/ ۴۱۰)، **امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)** (مسند الامام احمد: ۶/ ۱۹۴) رحمہم اللہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصروں میں سے درجِ ذیل محدثین نے حدیثِ افک کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے:

امام مسلم(صحیح مسلم : ۲۷۷۰) ، **امام ابوداؤد**(سنن ابی داوٗد : ۴۷۳۵) ، **امام نسائی**(الکبری :۱۱۲۵۱) ، **امام ابنِ ماجہ**(سنن ابنِ ماجه : ۲۳۴۷) ، **امام ابن الجارود**(المنتقیٰ : ۷۲۳) ، **امام دارمی**(سنن دارمی : ۲۴۲۳) رحمہم اللہ۔

امام موصوف کے بعد آنے والے ان محدثین کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابنِ حبان (صحیح ابن حبان : ۷۱۰۳) ، **امام بیہقی**(السنن الکبریٰ للبیهقی : ۱۰ /۳۶) ، **امام طبرانی**(المعجم الکبیر للطبرانی : ۸۳/۲۳) ، **امام ابویعلیٰ**(مسند ابی یعلیٰ : ۳۴۸/۸) رحمہم اللہ۔

پھر امت نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق بھی کر لیا تھا، کسی نے اسے باطل یا جھوٹی نہیں کہا۔

کیا میرٹھی صاحب کے خیال میں وہ ائمہ حدیث جن کے ذریعے حدیث ان تک پہنچی ہے، سب کے سب حدیث کے فہم میں فیل تھے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو ان کے اپنے فہم کی خرابی ہے، جس کا وہ دوسروں کو الزام دے رہے ہیں، **المرء یقیس علی نفسه** (آدمی دوسروں کو اپنے آپ پر قیاس کرتا ہے) والا عربی مقولہ ان پر حرف بحرف صادق آ رہا ہے۔

تفصیلی جوابات

صحیح بخاری پر ان کے اعتراضات عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱☆اصولی اعتراضات ۲☆ تاریخی اعتراضات ۳☆عقلی اعتراضات

آیئے بالترتیب ان کا جائزہ لیتے ہیں:

☆اصولی اعتراضات : اس عنوان سے کوئی یہ دھوکا نہ کھا بیٹھے کہ شاید ان کے صحیح بخاری پر یہ ''اصولی اعتراضات'' اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان اعتراضات کا تعلق اصولِ حدیث سے ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ نہایت بے اصولی پر مبنی ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں محدثین کی قدر و قیمت کیا ہے؟ یہ تو آپ انہی کے بقول معلوم کر چکے ہیں، لہٰذا محدثین کے اصولوں کو ماننا ان کے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

اس حدیث پر انہوں نے پانچ اصولی اعتراضات وارد کیے ہیں :

اعتراض نمبر ۱ : ''ابنِ شہاب زہری کا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ قصہ کچھ سعید بن مسیّب سے سنا ہے، کچھ عروہ بن زبیر سے، کچھ علقمہ بن وقاص لیثی سے، کچھ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے، ان میں سے کسی نے مجھے پورا قصہ نہیں سنایا، مگر ان چاروں سے سنی ہوئی باتوں کو جوڑنے سے پورا قصہ یہ بنتا ہے۔۔۔پس اس اسناد میں دو قصور ہیں، اول یہ کہ راوی تو ثقہ ہیں اور زہری نے ان کا نام بتایا ہے کہ وہ فلاں اور فلاں چار اشخاص ہیں، لیکن ان میں سے کسی بھی راوی کی بیان کردہ بات زہری نے متعین طور پر نہیں بتائی، پس راوی معلوم ہے اور مروی مجہول اور یہ ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، جیسے وہ روایت ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں راوی مجہول اور مروی معلوم ہو، اسی طرح وہ روایت بھی ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں راوی معلوم ہو اور مروی مجہول ہو۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» حصہ اول : ۱۷۴۔۱۷۵)

جواب : یہ اتنا ہی بڑا ہی جھوٹ ہے جتنا دن کو رات قرار دینا، اگر اس ''اصول'' کی کوئی دلیل ہوتی تو پیش کی جاتی، نہ معلوم اسے ''ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب'' کس نے شمار کیا ہے؟ ورنہ عقل سے بھی کام لیا جائے تو بھی یہی معلوم ہوگا کہ ہر جگہ مروی کا مجہول ہونا روایت کے ''ضعف'' کا سبب نہیں بنتا، کیونکہ اگر چار راویوں میں سے کوئی ایک یا زائد راوی نا قابل اعتبار ہوں اور سب کی بات اکٹھی بیان کر دی جائے تو پھر روایت کے جس حصے سے بھی استدلال کیا جائے گا، وہاں احتمال ہوگا کہ شاید یہ ''ضعیف'' راوی کا بیان کردہ ہو، لیکن جب چاروں راوی ''ثقہ'' ہوں تو پھر جس حصے سے بھی دلیل لی جائے، کوئی اعتراض عقلی طور پر بھی وارد نہیں ہونا چاہیے، رہی اصولِ محدثین کی بات تو آج تک کسی محدث نے ایسی صورت میں روایت کے ''ضعیف'' ہونے کا حکم نہیں لگایا، بلکہ وہ اسے موجبِ جرح خیال نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اسی حدیثِ افک کی صحت پر محدثین، مفسرین اور دوسرے علمائے دین کا اجماع واتفاق کرنا ہم نے بیان کر دیا، کوئی منکرِ حدیث دنیا کے کسی ایک محدث سے بھی حدیثِ افک کا ''ضعیف'' ہونا ثابت تو کرے، الحمد للہ ! ہماری اس بحث سے محدثین کرام کا ایک اجماعی واتفاقی اصول ثابت ہو گیا ہے کہ جب سب راوی معلوم و ''ثقہ'' ہوں اور مروی، یعنی روایت کردہ حدیث مجہول ہو تو اس پر کوئی کلام نہیں ہوگی، اس کو ''ضعیف'' کہنے والا مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا گمراہ اور شیطان کا ہمنوا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ : ''دوسرا قصور یہ ہے کہ ان چاروں میں سے کسی راوی کی یہ تصریح مذکور نہیں

کہ اس نے خود ام المؤمنین سے یہ قصہ سنا تھا اور ظاہر عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ان چاروں کو دیگر اشخاص نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے یہ قصہ سنایا تھا، کیونکہ اگر سعید بن مسیّب وعلقمہ بن وقاص وعروہ بن زبیر وعبیداللہ بن عبداللہ نے راہِ راست حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ سنا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی: ذکروا أنّهم سمعوا عائشة الصّديقة تقول یا ذکروا أنّ عائشة حدّثتهم ، قالت . .

پس فی الواقع یہ زہری کی مرسل یعنی منقطع روایت ہے، یعنی ہم یہ تو یقین رکھتے ہیں کہ زہری نے یہ داستان خود نہیں گھڑی، بلکہ فی الواقع مجموعی طور پر یہ داستان زہری نے سعید بن مسیّب وعروہ بن زبیر وعلقمہ و عبیداللہ بن عبداللہ سے سنی تھی، لیکن ان چاروں شخصوں نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ نہیں سنا تھا، بعض اشخاص نے انہیں بتا دیا تھا کہ ام المؤمنین نے یہ بیان کیا تھا، وہ کون اشخاص تھے؟ اس کا علم نہیں، پس سند کے اعتبار سے یہ روایت کے زہری کی مرسل روایات میں سے ہے جو بہ اتفاقِ اہل علم با قابل اعتماد اور عموماً غلط ہوتی ہیں، اہل علم نے کہا ہے: مراسيل الزّهري شرّ المراسيل .'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱۷۵۔۱۷۶)

جواب : یہ اعتراض منکرینِ حدیث کے اصولِ حدیث سے لاعلم ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ محدثین نے روایت کے صحیح ہونے کے لیے سماع کی تصریح کی شرط صرف خاص قسم کے راویوں کے لیے لگائی ہے، جن کو اصطلاحِ محدثین میں ''مُدَلِّس'' کہتے ہیں، یعنی ایسے راوی جو اپنے استاذ کا نام چھوڑ کر ایسے اگلے راوی سے سماع کے احتمال والے لفظوں کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے ہیں، جس سے انہوں نے اور احادیث تو سنی ہوتی ہیں، لیکن یہ حدیث نہیں سنی ہوتی، اور الحمدللہ صحیح بخاری کے ان چاروں راویوں میں سے ایک بھی راوی ایسا نہیں جو ''مُدَلِّس'' ہو، اگر منکرینِ حدیث میں ہمت ہو تو آزمالیں، ورنہ صحیح بخاری جو امت کے اجماعی فیصلے کے مطابق صحیح ہے، اس پر فضول اور جاہلانہ اعتراضات نہ کریں۔

منکرینِ حدیث کی جہالتِ مطلق : اس اعتراض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منکرینِ حدیث اصولِ حدیث سے تھوڑا بہت نہیں، بلکہ مطلق طور پر جاہل ہوتے ہیں، رہی عقل کی بات تو صحیح بخاری کی مخالفت نے ان کی رہی سہی ''مَت'' بھی ماردی ہے، ملاحظہ فرمائیں کہ میرٹھی صاحب نے اس روایت کو زہری کی مراسیل میں سے شمار کیا ہے، حالانکہ **اولاً** تو راجح قول کے مطابق ''مرسل'' کی تعریف یہ ہے کہ کوئی تابعی ڈائریکٹ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے، لہٰذا یہ روایت ''مرسل'' ہے ہی نہیں،

بلکہ ''منقطع'' ہے، **ثانیاً** اگر اس ''منقطع'' روایت کو مرجوح قول کے مطابق ''مرسل'' شمار کر بھی لیا جائے تو بھی یہ ''زہری کی مرسل'' نہیں ہوگی، زہری کی ''مرسل'' وہ ہوگی جو زہری ایسے راوی سے بیان کرے، جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو، حالانکہ خود منکرِ حدیث صاحب صراحت کر رہے ہیں کہ امام زہری نے یہ روایت مجموعی طور پر ان چاروں اساتذہ سے سنی ہے، **ثالثاً** محدثین اہل علم کا یہ جو قول زہری کی مراسیل کے بارے میں پیش کیا گیا ہے، وہ زہری کی ان روایات کے بارے میں ہے جو زہری نے ڈائریکٹ رسولِ کریم ﷺ سے بیان کی ہیں، نہ کہ ان روایات کے بارے میں جو زہری رحمہ اللہ نے اپنے اساتذہ سے سنی ہیں، اگر سند میں موجود اوپر والے راویوں کا ارسال پچھلے راویوں کی طرف منسوب کرنا صحیح ہو تو پھر اسے منکرینِ حدیث کے مطابق ''مرسلِ بخاری'' کہنا زیادہ بجا ہونا چاہیے نہ کہ ''مرسلِ زہری''۔

یہ ہے منکرینِ حدیث کا مبلغِ علم اور اعتراض کرتے ہیں امت کے اجماعی فیصلے ''صحیح بخاری'' پر!

اعتراض نمبر ۳ : ''زہری کی یہ روایت غزوۂ بنی المصطلق کے تحت جو امام بخاری نے درج فرمائی ہے، اس میں ہے۔۔۔أُخبِرتُ أنّه كا ن يشا ع ويتحدّث به عنده ....

أُخبِرتُ کے معنیٰ ہیں، مجھے خبر دی گئی، کس نے دی اس کا ذکر نہیں، لم يُسَمَّ من أهل الأفك... کے معنیٰ ہیں، افک والوں کے بارے میں سے صرف تین شخصوں کا نام زد ذکر کیا گیا ہے۔۔۔۔اب ظاہر ہے کہ اگر عروہ نے قصۂ افک خود اپنی خالہ حضرت عائشہ سے سنا ہوتا تو أخبرتني کہتے، أُخبِرتُ نہ کہتے اور لم تُسَمِّ بصیغۂ مؤنث معروف کہتے۔۔۔۔پس بے شک عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگنے والی داستان سنی تھی، مگر خود حضرت عائشہ سے نہیں، بلکہ کسی اور شخص یا اشخاص سے جن کا نام انہوں نے ذکر نہیں کیا اور جب عروہ نے یہ داستان حضرت عائشہ سے نہیں سنی حالانکہ وہ ام المؤمنین کے قریبی عزیز یعنی بھانجے تھے تو سعید بن مسیّب وغیرہ کا سننا تو اور بھی مستبعد ہے۔۔۔'' (((صحيح بخاری کا مطالعه))) : ۱۷۵۸_۱۷۷)

جواب : ع جھوٹ بولنے میں جن کو عار نہیں ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ عروہ رحمہ اللہ کے یہ لفظ کہ ''مجھے خبر دی گئی'' امام زہری نے حدیث بیان کرتے وقت بیان ہی نہیں کیے، بلکہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات ذکر کی جس میں یہ لفظ ہیں، حدیث کے شروع میں تو عروہ، سعید بن مسیّب، علقمہ اور عبید اللہ رحمہم اللہ سب سے لفظِ ''عن'' کے ساتھ روایت ہے، جو کہ

اصولِ محدثین کے مطابق غیر مدلس راوی کی طرف سے بولا گیا ہوتو بالا جماع اتصال شمار ہوتا ہے، لہٰذا حدیث دشمنی نے ان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس صیغہ مجہول کی نسبت ساری حدیث کی طرف کر دیں جو صرف ایک جملے میں بولا گیا ہے، ورنہ حدیث بیان کرتے وقت راویوں کے ایسے جملہ معترضہ کو اصطلاح میں ''اِدراج'' کہتے ہیں، جو کہ حدیث کے ادنیٰ سے طالب علم سے بھی مخفی نہیں، اس لیے اسی جملہ معترضہ پر ساری حدیث کو مجہول کرنا اصولِ حدیث سے جہالت اور بہت بڑی بے اصولی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر پوری حدیث عروہ رحمہ اللہ اس طرح بیان کرتے تو سب سے پہلے محدثین اس پر مطلع ہوتے، کیونکہ صاحب البيت أدرىٰ بما فيه . (گھر والا اپنے گھر کی زیادہ خبر رکھتا ہے)۔

بھلا ان منکرینِ حدیث کو عللِ حدیث سے کیا معرفت جو ''مرسل'' اور ''منقطع'' حدیث کا فرق بھی نہیں سمجھتے، نیز جن کو ادراج کی تعریف بھی نہیں آتی، نہ ان کو ''اتصال'' و ''انقطاع'' کا فرق معلوم ہے؟؟؟

تیسری بات یہ ہے کہ اگر کبھی منکرینِ حدیث کی عقل ٹھکانے آئے تو ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کریں کہ وہ ''بے شک عروہ نے حضرت عائشہ پر لگنے کی داستان سنی تھی، لیکن خود عائشہ سے نہیں۔۔۔'' کہہ کر خود اپنے آپ کو بے وقوفی کا سرٹیفکیٹ دے بیٹھے ہیں، کیونکہ خود انہوں نے ہی لکھا ہے:

''ان لوگوں (خارجیوں) نے اسے اس انداز سے مرتب کیا کہ اسے حضرت ام المومنین کے حق میں ہجوِ ملیح (میٹھی میٹھی مذمت) کہنا بے جا نہ ہوگا۔۔۔سفر میں گم شدگی کی جو کہانی اس میں پیوست کر دی گئی ہے، وہ بڑی بھاری ہجو و مذمت کی چیز ہے، پھر بریرہ خادمہ کی زبانی ان خبیثوں نے ام المؤمنین کا پھوڑ اور بے سلیقہ ہونا ظاہر کیا ہے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱۸۲/۱)

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے نے بلاشبہ اس حدیث کو کسی اور سے سنا اور اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی موجود تھی تو عقل کے دشمن منکرینِ حدیث بتائیں کہ اپنی خالہ کی عزت کا احساس عروہ تابعی رحمہ اللہ کو نہ تھا، اگر تھا تو پھر اس ''گستاخی'' والی روایت کو آگے روایت کیوں کیا؟؟؟

یا پھر وہ یوں کہیں گے کہ ''عموماً راویانِ حدیث عقل وفہم سے بے بہرہ تھے، وہ نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۳۸-۳۷/۱)

تو کوئی بات نہیں کہ پاگل اور بے وقوف عموماً اپنے علاوہ سب لوگوں کو بے عقل ہی سمجھتے ہیں!!!

اعتراض نمبر ٤ : ''(روایتِ ابواسامہ) امام بخاری نے اسے بطورِ حدیث نہیں، بلکہ زہری

کی تایید میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔۔اوپر عروہ کی تصریح گزری کہ عروہ نے یہ قصہ براہِ راست حضرت عائشہ سے نہیں سنا تھا، بعض اشخاص سے سنا تھا، پس یہ روایت بھی مرسل ہی ہے، جو زہری کی روایت سے مختلف ومتعارض بھی ہے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱۷۷/۸)

جواب : قارئین! منکرِ حدیث صاحب خود کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بطورِ حدیث ذکر ہی نہیں کیا، بلکہ تعلیقاً ذکر کیا ہے اور بذاتِ خود ٹائیٹل پر لکھا بھی ہے کہ ''بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق وتنقید'' تو پھر جب یہ حدیث ہے ہی نہیں تو اس کو ''ضعیف'' اور ''متعارض'' قرار دینے کے لیے ورق کالے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے ہی کہتے ہیں ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد!''

اعتراض نمبر ۵ : منکرِ حدیث صاحب ''روایتِ ام رومان'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''حضرت ام رومان ام المؤمنین حضرت عائشہ کی والدہ اور حضرت ابو بکر کی بیوی تھیں، ان کی طرف منسوب کر کے اسے مسروق بن اجدع تابعی نے نقل کیا ہے اور مسروق نے ام رومان کا زمانہ نہیں پایا، امِ رومان کی وفات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہوگئی تھی، سنِ وفات غالباً ۶ھ ہے، لامحالہ مسروق نے اسے کسی اور شخص سے سنا ہوگا، اس نے حضرت ام رومان کی طرف منسوب کر کے اس کو بیان کر کیا تھا، مسروق نے اس شخص کا نام نہیں لیا کہ وہ کون تھا، کیسا تھا، اسی لیے امام مسلم نے اس روایت کو درجِ صحیح نہیں کیا، کیونکہ یہ سنداً صحیح نہیں ہے، مرسل ہے، مگر امام بخاری کو اس کی اسناد میں ابوعوانہ ومحمد بن فضیل کے وہم کی وجہ سے دھوکا لگ گیا۔۔۔۔۔

مسروق نے اسے حَدَّثَتْ أمّ رومان (ام رومان نے بیان کیا)، ابوعوانہ نے از روئے وہم اسے حدّثتنی أم رومان بنادیا (مجھ سے ام رومان نے بیان کیا)۔۔۔۔اور محمد بن فضیل نے اسے (سُئِلَتْ کو) غلط پڑھ کر سَألْتُ أم رومان سمجھ لیا اور اسے ہی نقل کر دیا۔۔۔الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے دھوکا کھا کر اس روایت کو متصل گمان کر کے درجِ صحیح کر دیا ہے، حالانکہ یہ مرسل ہے، اہل علم نے امام بخاری پر اس بارے میں بجا گرفت کی ہے، حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری کی اس روایت کے بارے میں لکھا ہے۔۔۔۔۔الحاصل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ پر بہتان لگنے کا جو قصہ مسروق سے مروی ہے تو اسے مجھ سے بہت پہلے اہل علم نے غیر صحیح بتایا ہے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱۷۹-۱۷۸/۸)

جواب : منکرینِ حدیث کو بعض اہل علم کا غیر صحیح بتانا تو ''بجا'' نظر آ گیا، لیکن یہ نظر نہ آیا کہ صحیح بخاری کی صحت پر امتِ مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے، نیز علمائے کرام نے اس روایت پر اعتراض کا جو جواب دیا وہ دلائل کی رو سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے، وہاں انہوں نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے سمجھا ہے کہ شاید ہم امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کر کے صحیح سلامت نکل جائیں گے اور کوئی انہیں لگام دینے والا نہ ہوگا، اسے ''متصل'' اور ''صحیح'' قرار دینے والوں کے دلائل بغیر ڈکار کے ہضم کر گئے ہیں، حالانکہ اس اختلاف میں حق امامِ بخاری رحمہ اللہ اور ان ائمہ دین کے ساتھ ہی ہے جو اس حدیث کو صحیح قرار دینے والے ہیں:

✿ علامہ شمس الدین ابن قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) اس حدیث کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال آخرون : كلّ هذا لا يردّ الرّواية الصّحيحة الّتى أدخلها البخاريّ فى صحيحه ، وقد قال ابراهيم الحربيّ وغيره : أنّ مسروقا سألها وله خمس عشرة سنة ومات وله ثمان وسبعون سنة ، وأم رومان أقدم من حدّث عنه .

''دوسرے (امام بخاری کے ہم نوا) علمائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ سارے اعتراضات بھی اس روایت کو ردّ کرنے کا موجب نہیں بن سکتے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں درج کر دیا ہے، ابراہیم حربی کہتے ہیں، مسروق نے پندرہ سال کی عمر میں سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تھا اور جب وہ فوت ہوئے تو ان کی عمر اٹھتر سال تھی، سب سے پہلے انہوں نے امِ رومان سے ہی احادیث سنی ہیں۔'' (زاد المعاد : ۲۳۷/۳)

رہی یہ بات کہ سیدہ امِ رومان رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فوت ہو گئی تھیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے تھے، تو اس کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ نہیں، کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی، ان باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس غلط بنیاد پر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا اور محدث ابوعوانہ و محمد بن فضیل پر وہم کھانے اور غلط سلط پڑھنے کا الزام لگانا دراصل اپنی بدبختی کو دعوت دینا ہے۔

✿ حافظ ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قيل : انّها توفّيت فى عهد النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم ، وهو وهم ، روى عنها مسروق .

''کہا گیا ہے کہ وہ (امِ رومان) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہی فوت ہو گئی تھیں، لیکن یہ وہم ہے، کیونکہ ان سے مسروق نے روایت کی ہے (اور وہ عہدِ نبوی میں موجود نہ تھے)۔''

(معرفة الصحابة لابی نعیم الاصبهانی : ۱۷۲/۲٤)

۞ نیز اس کے بارے میں حافظ ابن قیّم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقالوا : أمّا حديث موتها في حياة رسول اللّٰه صَلَّى اللّٰه عليه وسلّم ونزوله في قبرها فحديث لا يصحّ ، وفيه علّتان تمنعان صحّته ، احداهما : رواية عليّ بن زيد بن جدعان له ، وهو ضعيف الحديث ، لا يحتجّ بحديثه ، والثّانية : أنّه رواه عن القاسم بن محمد عن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، والقاسم لم يدرك زمن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فكيف يقدّم هذا على حديث اسناده كالشّمس ، يرويه البخاريّ في صحيحه ، ويقول فيه مسروق : سألت أمّ رومان ، فحدّثتني ، وهذا يردّ أن يكون اللّفظ : سُئِلَتْ ...

''انہوں نے (محدثین نے) کہا ہے کہ امِ رومان کے رسولِ کریم ﷺ کے دورِ مبارک میں فوت ہونے اور آپ کے ان کی قبر میں اترنے والی حدیث ثابت نہیں، اس میں دو کمزوریاں ہیں جو اس کے صحیح ہونے میں مانع ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو علی بن زید بن جدعان نے بیان کیا ہے اور وہ ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث دلیل نہیں بنائی جا سکتی، دوسری کمزوری یہ ہے کہ اسے قاسم بن محمد تابعی رسولِ کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، حالانکہ قاسم بن محمد نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا، چنانچہ اس (غیر ثابت افسانے) کو اس حدیث پر کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے، جس کی سند سورج کی طرح روشن ہے اور اسے امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کر رہے ہیں، نیز اس میں مسروق یہ کہہ رہے ہیں، میں نے امِ رومان سے سوال کیا تھا اور انہوں نے مجھے حدیث بیان کی تھی۔۔۔'' (زاد المعاد لابن القیم : ۲۳۷/۳)

۞ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **انّ الّذي وقع في الصّحيح هو الصّواب والرّاجح ، وذلك أنّ مستند هولاء في انقطاع هذا الحديث انّما هو ما روى عن علي بن زيد بن جدعان وهو ضعيف ...وقد نبّه البخاريّ في تاريخه الأوسط والصّغير على أنّها رواية ضعيفة ...وحديث مسروق أسند ، أي أصحّ اسنادا ، وهو كما قال ..فكيف تعلّ به الرّوايات الصّحيحة المعتمدة ؟**

''بلاشبہ جو صحیح بخاری میں موجود ہے، وہی درست اور راجح ہے، کیونکہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں ان (مخالفین) کی دلیل صرف علی بن زید بن جدعان کی بیان کردہ روایت ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔۔۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی **التّاريخ الأوسط** اور **التّاريخ الصّغير** کتاب میں اس پر خبردار کیا ہے۔۔۔اور فرمایا ہے کہ مسروق کی (امِ رومان سے سماع ولقاء والی) حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ترین ہے،

امام بخاری کی بات بالکل درست ہے ۔۔۔لہٰذا اس (اَن ہوئے افسانے) کی وجہ سے صحیح اور قابل اعتماد روایات کیونکر ضعیف قرار دی جاسکتی ہیں؟'' (فتح الباری لابن حجر: ۳۷۳/۱)

اب سوچنے کی بات ہے کہ منکرینِ حدیث نے محدثین کے نزدیک بالاتفاق ''ثقہ'' قرار پانے والے راویوں، مثلاً امام سعید بن جبیر، امام زہری، عطاء بن یسار رحمہم اللہ وغیرہ پر تو جرحی نشتر چلائے ہیں، نیز ''ثقہ غیر مدلّس'' راویوں کی مُعَنْعَن (لفظِ عَنْ سے بیان کردہ) احادیث کو تو ''مرسل و منقطع'' قرار دیا ہے، لیکن اپنے مطلب کی بات آئی ہے تو یہاں علی بن زید بن جدعان جیسے مشہور و معروف سخت'' ضعیف'' اور ''منکر الحدیث'' راوی کی روایت کو دلیل بنالیا ہے اور قاسم بن محمد کے ''ارسال'' کو سینے سے لگالیا ہے۔

تِلْکَ اِذاً قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی . یہی ہے منکرینِ حدیث کی ''بندر بانٹ''!!!

الحاصل : منکرینِ حدیث کے صحیح بخاری کی بالا جماع صحیح حدیث پر کیے جانے والے ''اصولی'' اعتراضات کی کل کائنات اور اس سلسلے میں ان کی بے اصولیاں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں، جب اصول و ضوابط اور نقل کے اعتبار سے اس حدیث کی سند بے غبار ثابت ہوگئی ہے تو اب منکرینِ حدیث کا اس پر تاریخی وعقلی اعتراض کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، کیونکہ اگر کوئی منکرِ قرآن کسی آیتِ قرآنی پر عقلی اعتراضات کرنے لگے کہ میری عقل میں یہ بات درست نہیں تو اسے یہی کہا جائے گا کہ جا کر اپنی عقل کا علاج کروائے، لہٰذا سنداً صحیح ثابت ہو جانے کے بعد حدیثِ افک پر عقلی و تاریخی اعتراضات چنداں مضر نہیں، نہ ہی ہمارے لیے ان کا جواب دینا ضروری ہے، لیکن پھر بھی ہم ایک ایک اعتراض کا جواب دیں گے، تا کہ منکرینِ حدیث کی بے اصولی کی طرح ان کی بے عقلی بھی لوگوں پر واضح ہو جائے اور وہ کبھی ان کی دامِ فریب میں نہ آئیں، نیز یہ کارِ خیر بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث پر مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وان کنّا غانین عن ذالک .. لکن نصر الحقّ فضیلة ، و قمع الباطل وسیلة الی اللّٰہ تعالٰی .

''اگرچہ ہمیں ان اعتراضات کے جوابات دینے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن (صرف اس وجہ سے ایک ایک کا جواب دیں گے کہ) حق کی نصرت نیکی ہے اور باطل کا قلع قمع اللہ تعالی کے تقرب کا ذریعہ ہے۔''

(المحلی لابن حزم: ۲۲۹/٤)

جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔

عورت کے ایامِ مخصوصہ کی تعیین

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

ایامِ حیض کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ مدت مقرر نہیں ہے، اس کا انحصار عورت کی فطرت وعادت پر ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں۔

''حدیث اور اہلحدیث'' نامی کتاب میں مذکور دلائل کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

تقلیدی دلیل نمبر ۱ : [عن أبی أمامة عن النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال :

أقلّ الحیض ثلاث وأکثره عشر . (رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط ، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۰)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔''](حدیث اور اهلحدیث از انوار خورشید دیوبندی : ص ۲۲٦)

تبصرہ : یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، حافظ ہیثمی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفیه عبدالملک الکوفی عن العلاء بن کثیر ، لا ندری من هو ؟

''اس روایت میں العلاء بن کثیر سے عبدالملک الکوفی راوی بیان کرتا ہے، ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟'' (مجمع الزوائد : ۱ /۲۸۰)

لیکن بعض الناس اس جرح کو ہڑپ کر گئے ہیں۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں: **عبدالملک هذا رجل مجهول ، والعلاء هو ابن کثیر ، وهو ضعیف ، ومکحول لم یسمع من أبی أمامة شیئا .**

''یہ عبدالملک نامی راوی مجہول اور العلاء بن کثیر ضعیف ہے، نیز مکحول نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔'' (سنن الدارقطنی : ۱ /۲۱۸، ح : ۸۳۵)

العلاء بن کثیر کے بارے میں امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: **ضعیف الحدیث جدّا .**

امام بخاری اور امام ساجی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' ہے، امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے، امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ **واهی الحدیث** (سخت ضعیف) ہے، امام

حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ''ضعیف الحدیث، منکرالحدیث'' ہے، حافظ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''العلاء بن کثیر نے مکحول سے، انہوں نے صحابہ سے، انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے جتنے نسخے روایت کیے ہیں، وہ سارے کے سارے غیر محفوظ ہیں، یہ منکرالحدیث راوی ہے۔'' (الکامل لابن عدی: ٥/ ١٨٦٦)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یروی الموضوعات عن الأثبات .

''یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا تھا۔'' (المجروحین لابن حبان: ٢/ ١٨١۔١٨٢)

اس کے بارے میں توثیق کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں ہے، لیکن بدقسمتی سے تقلیدی حضرات اس کی حدیث سے استدلال کرنے میں کوشاں ہیں۔

تقلیدی دلیل نمبر ٢ : [عن واثلة بن الأسقع قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : أقلّ الحيض ثلاثة أيّام ، وأكثره عشرة أيّام .(دارقطنی: ج١ ص ٢١٩)

''حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔''](حدیث اور اھلحدیث: ص ٢٢٦)

تبصرہ : یہ روایت سخت ''ضعیف'' ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں ابن المنہال ''مجہول'' اور محمد بن احمد بن انس ''ضعیف'' ہے۔ (سنن الدارقطنی: ١/ ٢١٩، ح: ٨٣٦)

بعض الناس نے مذہبی تعصب کی آڑ میں اس جرح کو چھپا کر خیانتِ علمی کا ارتکاب کیا ہے، لیکن یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، یہ لوگ ایسی کاروائیاں کرتے ہی رہتے ہیں۔

اس روایت کی ایک اور وجۂ ضعف یہ بھی ہے کہ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مکحول نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ (المراسیل لابن ابی حاتم: ص ٢١٣)

یعنی یہ روایت اگر مکحول تک ثابت بھی ہو تو ''منقطع'' ہے۔

تقلیدی دلیل نمبر ٣ : [عن أنس قال : أدنى الحيض ثلاثة أيّام .

(رواہ الدارمی ج١ ص ١٧٢، قلت رجالہ رجال مسلم ، اعلاء السنن ج١ ص ٢٤٧)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے۔''](حدیث اور اھلحدیث: ص ٢٢٦)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ''مدلس'' ہیں اور فرماتے ہیں: بلغني عن أنس . ''مجھے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے۔''

یہ مبلّغ (پہنچانے والا) نامعلوم ہے، لہٰذا سند ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

بعض الناس کا یہ کہنا کہ رجالہ رجال مسلم (اس روایت کے راوی مسلم کے راوی ہیں) انتہا درجہ کا دھوکہ ہے جو صرف ایسے لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو ''منقطع''، ''ضعیف'' اور مردود روایات سے ہی حجت پکڑتے ہیں۔

تقلیدی دلیل نمبر ٤ : [عن أنس قال : أدنى الحيض ثلاثة وأقصاه عشر .

(دارقطنی ج ۱ ص ۲۰۹)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔'']

(حدیث اور اهلحدیث : ص ۲۲۷)

تبصرہ : یہ روایت سخت ''ضعیف'' ہے، اس میں الجلد بن ایوب راوی ''متروک'' ہے، بلکہ خود امام دارقطنی نے بھی اسے ''متروک'' کہا ہے۔ (الضعفاء والمتروکون للدارقطنی : ۱٤۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث کسی چیز کے برابر نہیں، وہ ''ضعیف الحدیث'' ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' ہے، امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضعيف الحديث ، يكتب حديثه ، ولا يحتجّ به . ''یہ ضعیف ہے، اس کی حدیث لکھی جائے گی، لیکن اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔''

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے بھی اسے ''لیس بالقوی'' کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٥٤٩/۲)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے، اس پر ''توثیق'' کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں ہے، غالباً اسی لیے ایسے ''متروک'' راوی کی روایت بعض الناس کے حصے میں آئی ہے!

تقلیدی دلیل نمبر ٥ : [عن الحسن أنّ عثمان بن أبي العاص الثّقفيّ قال : الحائض اذا جاوزت عشرة أيّام ، فهي بمنزلة المستحاضة ، تغتسل وتصلّي . (دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۰)

''حضرت حسن رحمہ اللہ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، حائضہ عورت جب دس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ بمنزلہ مستحاضہ عورت کے ہے، غسل کر کے نماز پڑھے گی۔'']

(حدیث اور اهلحدیث : ص ۲۲۷)

تبصرہ : اس کی سند کئی وجہ سے ''ضعیف'' و مردود ہے:

① اس میں ہشام بن حسان راوی ''مدلس'' ہیں، جو بصیغۂ ''عن'' امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کر رہے ہیں، امام علی بن المدینی اور امام ابوحاتم رحمہما اللہ نے ان کو ''مدلس'' کہا ہے۔(طبقات المدلسین : ۴۷)

② حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کی روایت اگر امام حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ سے ہو تو اس میں کلام ہوتی ہے۔(تقریب التهذیب : ۸۲۰۵)

امام اسماعیل بن علیّہ کہتے ہیں: **كنا لا نعدّ هشام بن حسّان فى الحسن شيئا .**

''ہشام بن حسان جب حسن بصری سے روایت کرتے تو ہم ان کو کچھ بھی شمار نہیں کرتے تھے۔''

(الجرح والتعديل : ۵۶/۹)

یہ جرح مفسر ہے، لہٰذا روایت ''ضعیف'' ہے۔

③ اس میں ایک علت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

④ ایک وجہ ضعف ''انقطاع'' بھی ہے، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فانّ الحسن لم يسمع من عثمان بن أبى العاص .** ''حسن بصری نے عثمان بن ابی العاص سے نہیں سنا۔''(المستدرك للحاكم : ۱/ ۱۷۶)

تقلیدی دلیل نمبر ۶ :

[عن سفيان قال : أقلّ الحيض ثلاث وأكثره عشر .

(دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۰)

''حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔'']

(حدیث اور اهلحدیث : ص ۲۲۶)

تبصرہ : یہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے، نہ قرآن ہے، نہ حدیث ہے، نہ قولِ صحابی ہے، نہ اجماعِ امت ہے اور نہ قولِ ابی حنیفہ، بعض الناس اپنے امام ابوحنیفہ سے یہ بات با سندِ صحیح ثابت کرنے سے تو قاصر رہے، ان سے ہمارا سوال ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے اندھے مقلد ہیں یا امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے؟

یہ ان لوگوں کی حیض کے متعلق کم از کم اور زیادہ سے زیادہ دنوں کی تعیین کے بارے میں کل کائنات تھی، جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا کہ وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے عورت کے ماہانہ ایام کی گنتی کی تعیین ثابت نہیں کر سکے، صرف ''موضوع'' (من گھڑت) اور ''ضعیف'' روایات پیش کر کے سادہ لوح عوام کو یہ باور کروانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے میں حدیثی دلائل رکھتے ہیں، جب کہ دلائل و براہین سے یہ لوگ سرے سے ہی خالی ہیں، ایک بھی روایت اصولِ محدثین کے مطابق ثابت کرنے سے قاصر ہیں، لیکن اس

کے باوجود یہ بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں:

”احادیث وآثار سے تو حیض کی اقل واکثر مدت ثابت ہورہی ہے۔“ (حدیث اور اهلحدیث : ص ۲۲۸)

قارئین کرام! انصاف شرط ہے، بتائیں کہ اہل حق کے دلائل اس طرح کے ہوتے ہیں؟

❀ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے فرمایا، حیض کا کم از کم وقت ایک دن ہے۔

(السنن الکبری للبیهقی : ۱ /۳۲۰، وسندہٗ حسن ، سنن الدارمی : ۱ /۲۱۱، ح : ۸۵۰، سنن الدارقطنی : ۱ /۲۰۷، ح : ۷۹۰، وصححه ابن حجر فی الفتح : ۱ /٤۲٥)

اس سے معلوم ہوا کہ مقلدین کا یہ کہنا غلط ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے۔

عورت کے ایامِ مخصوصہ کی تعیین کے بارے میں قرآن وحدیث اور اجماعِ امت میں کوئی دلیل موجود نہیں، لہٰذا اس مسئلے میں کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

❀ یہی بات حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ نے مخالفین کے دلائل کا رد کر کے راجح قرار دی ہے۔

(المحلی لابن حزم :(۲ /۲۰۰_۲۰۳)

❀ حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (مجموع الفتاویٰ : ۱۹ /۲۳۷)

❀ ابنِ ترکمانی حنفی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حیض (کی مقدارِ ایام) کے بارے میں نہ کوئی نص (دلیل) ہے اور نہ اجماعِ امت، رہی عادت تو وہ مختلف ہے، جیسا کہ عطاء رحمہ اللہ وغیرہ سے گزر چکا ہے۔

(الجوهر النقی : ۱ /۳۲۰)

❀ محمد سرفراز خان صفدر حیاتی صاحب لکھتے ہیں: ”علامہ زیلعی نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۵۱ - ج ۱ ص ۱۵٦ تک میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مبنی بر انصاف بات یہ ہے کہ حیض کے اقل اور اکثر کی تعیین کے بارے میں کسی فریق کے پاس کوئی صحیح، مرفوع اور صریح روایت نہیں، مبارک پوری تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ کتاب وسنت سے اقل اور اکثر کی تعیین نہیں، صرف عرف اور عادت کے ذریعے اس کی تعیین کی گئی ہے۔“ (خزائن السنن : ۱ /۲۲۸)

خلاصة التحقيق :

عورت کے ماہانہ ایام کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

پندرہ شعبان کی رات خصوصی عبادت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

پندرہ شعبان کی رات خصوصی نیت سے عبادت کرنا اور صبح کو روزہ رکھنا نبیٔ اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین وائمہ دین سے ثابت نہیں، بلکہ بعض علمائے کرام نے اسے بدعت تک قرار دیا ہے، اس رات عبادت کے قائلین کے دلائل کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ① : سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا كانت ليلة نصف من شعبان ، فقوموا ليلها ، وصوموا نهارها ، فانّ اللّٰه ينزل فيها لغروب الشّمس الى سماء الدّنيا ، فيقول : ألا من مستغفر فأغفر له ، ألا من مسترزق فأرزقه ، ألا مبتلى فأعافيه ، ألا كذا ، ألا كذا ، حتّى طلع الفجر .

''جب پندرہ شعبان کی رات ہو تو اس میں قیام کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھو، اس رات اللہ تعالیٰ غروبِ آفتاب کے بعد ہی آسمانِ دنیا پر نزول فرما لیتے ہیں اور فرماتے ہیں، کوئی معافی کا طلب گار ہے، میں اسے معاف کر دوں؟ کوئی رزق کا طلب گار ہے، میں اسے رزق عطا کر دوں؟ کوئی بیمار ہے، میں اسے صحت و عافیت سے نواز دوں؟ کوئی ایسا ہے، کوئی ایسا ہے،؟ اللہ تعالیٰ یہی فرماتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے۔'' (سنن ابن ماجه : ١٣٨٨، العلل المتناهية لابن الجوزى : ٢ /٧١، ح : ٩٢٢)

تبصرہ : یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس کو ''ضعیف'' کہا ہے۔ (خلاصة الاحكام : ١ /٦١٧)

اس کا راوی (ابوبکر بن عبداللہ بن محمد) ابن ابی سبرۃ ''کذاب'' اور ''وضاع'' ہے۔

❁ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يضع الحديث.** ''یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔'' (الجرح والتعديل : ٣٠٦/٧)

دلیل نمبر ② : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پندرہویں شعبان کو رات کے وقت میری باری تھی، رسول اللہ ﷺ میرے پاس سوئے ہوئے تھے، جب آدھی رات ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر سے گم پایا، مجھے ناگواری ہوئی، جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے، میں نے چادر اوڑھ لی، اللہ کی قسم! وہ چادر نہ اون اور ریشم کی تھی، نہ خام ریشم کی تھی، نہ ہی ریشم کی تھی، نہ ہی ریشمین کپڑے کی تھی، جس کا تانا بانا ریشم کا ہوتا ہے، نہ روئی کی تھی، نہ ہی سنی

کے کپڑے کی تھی، پوچھا گیا، وہ چادر کس چیز کی بُنی ہوئی تھی؟ فرمایا، اس کا تانا بکری کے بالوں کا اور بانا اونٹ کی بالوں سے بُنا گیا تھا، میں نے آپ ﷺ کو دیگر ازواج کے حجروں میں تلاش کیا، وہاں بھی آپ ﷺ نہ ملے، میں اپنے حجرے میں واپس لوٹ آئی، ناگہاں آپ ﷺ پر ایک کپڑا تھا جو زمین پر گرا ہوا تھا، آپ حالتِ سجدہ میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے: **سجد للّٰہ سوادی وخیالی ، وآمن بک فؤادی ، هذه یدی ، وما جنیت بها علی نفسی ، یا عظیم الرّجاء لکلّ عظیم ، اغفر الذّنب العظیم ، سجد وجهی للّذی خلقه ، وشقّ سمعه .**

آپ ﷺ فارغ ہو کر میرے ساتھ چادر میں گھس گئے، اس رات میرا سانس پھول گیا، مجھے کیا ہو گیا، میں نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، سانس کیوں پھول رہا ہے؟ میں نے ساری کاروائی کے بارے میں آپ ﷺ کو آگاہ کیا، آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے گھٹنوں پر پھیرنا شروع کیا اور فرمایا، ناس ہوان دونوں گھٹنوں کی جو اس رات پندرہویں شعبان کو نہ مل سکے (یعنی عبادت نہ کر سکے)، اس رات اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اترتا ہے، مشرک اور اپنے مسلمان بھائی سے بغض وعداوت رکھنے والے کے علاوہ اپنے تمام بندوں کی بخشش فرما دیتے ہیں۔

(کتاب احادیث النّزول للدارقطنی : ۱۳٤، کتاب الدعاء للطبرانی : ۵۵۷، شعب الایمان للبیهقی : ۳۸۳۸)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں سلیمان بن ابی کریمہ الشامی راوی ''ضعیف'' ہے، جو کہ منکر روایات بیان کرتا ہے، امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ اسے ''ضعیف'' کہتے ہیں۔(الجرح والتعدیل : ٤/۱۳۸)

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وعامّة أحادیثه مناکیر .**

''اس کی سب احادیث منکر ہیں۔'' (الکامل لابن عدی : ۳/۲٦۳)

۞ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یحدّث بمناکیر ، ولا یتابع علی کثیر من حدیثه .**

''یہ منکر روایات بیان کرتا ہے، اس کی کثیر روایات پر متابعت نہیں کی گئی۔'' (الضعفاء للعقیلی : ۲/۱۳۸)

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **لیّن صاحب المناکیر .** ''کمزور راوی ہے، منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔'' (المغنی للذهبی : ۱/٤٤۳)

۞ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کو ''ضعیف'' کہا ہے۔(مجمع الزوائد: ۷/۱۱۹، ۱۰/ ٤۳، ۸۹، ۲۵۸، ٤۱۸)

لہٰذا یہ حدیث ''ضعیف'' اور ناقابلِ عمل ہے۔

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں: هذا حديث لا يصحّ . ''یہ حدیث صحیح نہیں۔'' (العلل المتناهية : ٦٨/٢)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفى اسناده سليمان بن أبى كريمة ، ضعّفه ابن عديّ ، فقال : عامّة أحاديثه مناكير . ''اس کی سند میں سلیمان بن ابی کریمہ راوی ہے، اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی اکثر احادیث منکر ہوتی ہیں۔'' (التلخيص الحبير : ٢٥٤/١)

اس حدیث کے طرق بھی ہیں:

① (كتاب احاديث النّزول للدارقطني : ١٣٥، فضائل الاوقات للبيهقي : ٢٦)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس کا راوی النضر بن کثیر ''ضعیف'' ہے۔ (تقريب التهذيب : ٧١٤٧)

② (فضائل الاوقات للبيهقي : ٢٧، العلل المتناهية : ٩١٨)

اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، سعید بن عبدالکریم راوی کی توثیق مطلوب ہے۔

③ (شعب الايمان للبيهقي : ٣٨٣٥) یہ ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، کیونکہ العلاء بن الحارث کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں ہے، اس میں ایک اور وجہ ضعف بھی ہے۔

④ (ميزان الاعتدال للذهبي : ٤ /٥٥ فى ترجمة محمد بن يحيىٰ) اس کی سند ''ضعیف'' ہے، محمد بن یحییٰ بن اسمٰعیل التیمی التمار کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ليس بالمرضيّ .

''پسندیدہ راوی نہیں ہے۔'' (سوالات حمزة بن يوسف السهمي للدارقطني : ٣١)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أتىٰ بخبر منكر . ''اس نے ایک (مذکورہ) منکر حدیث بیان کی ہے۔''

⑤ (شعب الايمان للبيهقي : ٣٨٣٧) اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، سلام الطّویل نامی ''متروک'' ہے۔ (تقريب التهذيب : ٢٧٠٢)

اس کا دوسرا راوی سلام بن سلیمان المدائنی بھی ''ضعیف'' ہے۔ (تقريب التهذيب : ٢٧٠٤)

⑥ (معجم الشيوخ لابى بكر الاسماعيلى : ٤٠٨/١-٤٠٩) اس کی سند ''مجہول'' راویوں کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

⑦ (العلل المتناهية لابن الجوزى : ٢ /٦٩، ح : ٩١٩) اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، اس کا ایک راوی عطاء بن عجلان ''متروک و کذاب'' اور ''وضاع'' ہے۔

ثابت ہوا کہ اس حدیث کے جمیع طرق ''ضعیف'' ہیں۔

دلیل نمبر ③ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بستر سے گم پایا، میں آپ کی تلاش میں نکلی، اچانک دیکھا کہ آپ بقیع میں ہیں اور اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں، بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا، کیا آپ کو اس بات کا خدشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول آپ پر ظلم کریں گے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن میرا یہ گمان تھا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا:

انّ اللّٰـه عزّ وجلّ ينزل كلّ ليلة النّصف من شعبان ، فيغفر من الذّنوب أكثر من شعر غنم كلب . ''اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔'' (سنن الترمذی : ٧٣٩، سنن ابن ماجه : ١٣٨٩، مسند الامام احمد : ٦ /٢٣٨، كتاب احاديث النّزول للدارقطنی : ١٣٠، مسند عبد بن حميد : ١٥٠٧، شعب الايمان للبيهقی : ٣٨٢٤، العلل المتناهية لابن الجوزی : ٩١٥، وسندهٗ ضعيف)

تبصرہ ① : امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **سمعت محمّدا يضعّف هذا الحديث ... وقال : يحيى بن أبى كثير لم يسمع من عروة والحجّاج بن أرطاة لم يسمع من يحيى بن أبى كثير .** ''میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے رہے تھے، آپ نے فرمایا، یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن ارطاۃ نے اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں سنا۔''

(جامع ترمذی ، تحت حديث : ٧٣٩)

② حجاج بن ارطاۃ جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہیں، نیز ''مدلس'' بھی ہیں۔

③ اس میں یحییٰ بن ابی کثیر راوی بھی ''مدلس'' ہیں جو کہ ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔

دلیل نمبر ④: سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احيا الليالى الخمس وجبت له الجنة .....

''جس نے پانچ راتوں کو زندہ کیا (بیدار ہو کر عبادت کی) اس کے لیے جنت واجب ہو گئی، تو یہ آٹھ ذوالحجہ کی رات، عرفہ کی رات، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی راتیں اور پندرہ شعبان کی رات۔''

(الترغيب والترهيب للاصبهانی : ٣٦٧)

تبصرہ : یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، اس کا راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **روى عن أبيه أحاديث موضوعة .**

''اس نے اپنے باپ سے موضوع احادیث بیان کی ہیں۔'' (المدخل للحاکم : ص ١٥٤)

یہ روایت بھی اس نے اپنے باپ سے بیان کی ہے، لہٰذا موضوع (من گھڑت) ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ راتوں میں دعا رد نہیں ہوتی، ان میں سے ایک پندرہویں شعبان کی رات ہے۔ (تاریخ دمشق : ١٠/ ٤٠٨)

تبصرہ : یہ روایت بھی موضوع و من گھڑت ہے، اس کا راوی ابراہیم بن ابی یحییٰ اگر الاسلمی ہے تو جمہور کے نزدیک ''ضعیف و متروک'' ہے، اس کے استاذ ابوقعنب کے حالات و توثیق مطلوب ہے، نیز اس کا سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سماع بھی مطلوب ہے، اس روایت میں اور بھی علت ہے۔

فائدہ : شعبان کی پندرہویں شب کو خصوصی نیت سے عبادت کرنا اور اس کے دن کا روزہ رکھنا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین وائمہ دین سے قطعاً ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض نے اسے بدعت قرار دیا ہے، اسی طرح سو رکعات کے بارے میں جو روایت ہے، وہ جھوٹی ہے، ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں :

والعجب ممّن شمّ رائحة العلم بالسّنّة أن يغترّ بمثل هذا الهذيان ويصلّيها وهذا الصّلاة وضعت في الاسلام بعد الأربعماة ونشأت في بيت المقدس .

''تعجب ہے اس پر جس نے علمِ حدیث کی خوشبو سونگھی، پھر بھی اس طرح کی فضول اور لایعنی روایات سے دھوکہ کھا کر یہ نماز ادا کرتا ہے (یعنی سو رکعت نماز پڑھتا ہے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص دس بار پڑھتا ہے)، یہ نماز اسلام میں چار سو سال بعد بیت المقدس میں شروع ہوئی۔''

(الاسرار المرفوعة في الاخبار الموضوعة از ملا علی القاری : ٤٤٠)

اس نماز کو حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی مذموم و منکر اور بدعت قرار دیا ہے۔ (خلاصة الاحكام للنووي : ١/ ٦١٦)

الحاصل : پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت میں کوئی حدیث ''صحیح'' ثابت نہیں، ''ضعیف'' پر عمل کرنا فضائل میں بھی صحیح نہیں، کیونکہ فضائل بھی دین میں شامل ہیں اور ''ضعیف'' حدیث دین نہیں، دین تو صرف صحیح احادیث کا نام ہے، کسی صحابی یا کسی ثقہ تابعی سے اس رات کو خاص نیت اور اہتمام سے عبادت کرنا ثابت نہیں، جو کچھ اس بارے میں بیان کیا جاتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

''شبِ براءت'' کی شرعی حیثیت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

پندرہویں شعبان کی رات (المعروف شبِ براءت) کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث ''صحیح'' ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولیس فی لیلة النّصف من شعبان حدیث یعوّل علیه ، لا فی فضلها ، ولا فی نسخ الآجال فیها ، ، فلا تلتفتوا الیها .**

''پندرہویں شعبان کی رات کے بارے میں کوئی بھی قابل اعتماد حدیث موجود نہیں ہے، نہ اس کی فضیلت کے بارے میں اور نہ اس میں عمریں لکھے جانے کے بارے میں، لہٰذا (ثواب کی نیت سے) تم اس کی طرف التفات ہی نہ کرو۔'' (احکام القرآن لابن العربی : ٤/١٦٩٠)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **لا یصحّ منها شیء .** ''پندرہویں رات کی فضیلت کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔'' (المنار المنیف : ۹۸۔۹۹)

جناب محمد یوسف بنوری دیوبندی لکھتے ہیں: **ولم أقف علی حدیث مسند مرفوع صحیح فی فضلها .** ''پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت کے بارے میں مجھے کوئی متصل سند والی، مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ملی۔'' (معارف السنن : ٥/ ٤١٩)

جناب تقی عثمانی دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں: ''شبِ براءت کی فضیلت میں بہت سی روایات مروی ہیں، جن میں سے بیشتر علامہ سیوطی نے **الدّر المنثور** میں جمع کردی ہیں، یہ تمام روایات سنداً ضعیف ہیں۔'' (درسِ ترمذی از تقی : ۲/ ۵۷۹۔۵۸۰)

تنبیہ : محدث البانی رحمہ اللہ نے پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت والی ایک روایت کو مختلف طرق کی بنا پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحیحة : ۱۱٤٤)

آیئے اب ہم انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ ان سب کے بارے میں تحقیق پیش کرتے ہیں:

① حدیثِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ :

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يطّلع اللّٰه الیٰ خلقه لیل النّصف من شعبان ، فیغفر لجمیع خلقه الّا مشرک أو مشاحن .

’’اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو اپنی مخلوق کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں، مشرک اور اپنے مسلمان بھائی سے بغض وعداوت اور دشمنی وکینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرما دیتے ہیں۔‘‘

(کتاب السّنّة لابن ابی عاصم : ۵۱۲، المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۰ /۱۰۸، صحیح ابن حبان (الاحسان : ۵٦۳٦) ، المعجم الاوسط للطبرانی : ۲۹۷/۷، ح : ٦۷۷۲، شعب الایمان للبیهقی : ۲ /۳۸۲، ح : ۳۸۳۳)

تبصرہ : اس روایت کی سند ’’ضعیف‘‘ ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مکحول لم یلق مالک بن یخامر . ’’مکحول نے مالک بن یخامر سے ملاقات نہیں کی۔‘‘

(السلسلة الصحیحة : ۱۱٤٤)

لہٰذا یہ سند ’’منقطع‘‘ ہوئی اور ’’منقطع‘‘ حدیث ’’ضعیف‘‘ ہوتی ہے، امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ ایک ’’منقطع‘‘ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: **ولیس هذا الخبر من شرطنا ، لأنّه غیر متّصل ، لسنا نحتجّ فی هذا الجنس من العلم بالمراسیل المنقطعات .**

’’یہ حدیث ہماری شرط پر صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند متصل نہیں، ہم (محدثین) اس طرح کی مرسل و منقطع روایات سے حجت نہیں پکڑتے۔‘‘ (کتاب التوحید لابن خزیمة : ۱ /۲٤۵۔۲٤٦)

تنبیہ : مکحول تابعی رحمہ اللہ کا قول ہے: **انّ اللّٰه یطّلع علی أهل الأرض فی النّصف من شعبان ، فیغفر لهم الّا لرجلین ، الّا کافر أو مشاحن .**

’’اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو اہل زمین پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں، دو شخصوں، کافر اور اپنے بھائی سے بغض وعداوت رکھنے والے کے علاوہ سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔‘‘

(شعب الایمان للبیهقی : ۳۸۱/۳، ح : ۳۸۳۰، وسندہٗ حسنٌ)

عین ممکن ہے کہ مکحول تابعی رحمہ اللہ کے اس قول کو ’’ضعیف‘‘ اور کمزور راویوں نے ’’مرفوع‘‘ حدیث بنا دیا ہو۔

تنبیہ : امام طبرانی کی المعجم الاوسط (۱ /۱۳۰، ح : ۲۰۵) میں مکحول راوی خالد بن معدان عن کثیر بن مرۃ کے واسطہ سے بیان کرتا ہے، یہ سند بھی ’’ضعیف‘‘ ہے، اس میں سلیمان بن احمد الواسطی راوی جمہور کے نزدیک ’’ضعیف‘‘ ہے، نیز اس میں امام طبرانی کے استاذ احمد بن حسین بن مدرک کی توثیق بھی مطلوب ہے۔

② حدیثِ ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ :

سیدنا ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اذا كان ليلة النصف من شعبان يطّلع اللّٰه على خلقه ، فيغفر للمؤمنين ، ويترك أهل الضّغائن ، وأهل الحقد بحقدهم .**

''جب پندرہویں شعبان کی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں اور مومنوں کو معاف فرما دیتے ہیں، جبکہ مسلمان بھائی سے دشمنی، حسد و کینہ، بغض و عداوت رکھنے والوں کو معاف نہیں فرماتے ہیں۔'' (کتاب السنّۃ لابن ابی عاصم : ۵۱۱، المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۲ /۲۲٤،

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس کا راوی احوص بن حکیم ''ضعیف الحفظ'' ہے۔ (التقریب : ۲۹۰)

۞ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: **وضعّفه الجمهور .** (مجمع الزوائد : ۳/۴۲)

نیز مہاصر بن حبیب کی ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں، کتاب العرش (۸۷) کی سند میں مکحول کا واسطہ ہے، لیکن وہ سند بشر بن عمارہ ''ضعیف'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی (۲۲ /۲۲۳، ح : ۵۹) میں بشر بن عمارہ کی متابعت عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی نے کی ہے، لیکن اس کو امام عقیلی رحمہ اللہ (الضعفاء : ۲ /۳٤۸) اور امام عجلی رحمہ اللہ (تہذیب التہذیب : ٦ /۲٤٤) وغیرہ نے ''مدلس'' قرار دیا ہے، نیز اس سند میں ایک علت یہ ہے کہ اس کے راوی محمد بن آدم المصیصی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، لہٰذا یہ متابعت مفید نہیں ہے۔

③ حدیثِ عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ :

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يطّلع اللّٰه عزّ وجلّ خلقه ليلة النّصف من شعبان ، فيغفر لعباده الّا اثنين مشاحن وقاتل نفس .

''اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو اپنی مخلوق کی طرف خصوصی نگاہ فرماتے ہیں، مسلمان بھائی سے عداوت رکھنے والے اور قاتل کے علاوہ اپنے تمام بندوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔'' (مسند الامام احمد : ۲ /۱۷٦)

تبصرہ : یہ سند ''ضعیف'' ہے، اس میں ابنِ لہیعہ ''ضعیف'' اور ''مختلط'' راوی موجود ہے اور اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ موسیٰ بن حسن نے یہ حدیث ابنِ لہیعہ سے اختلاط سے پہلے سنی ہے۔

اسی لیے حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **رواه أحمد باسناد ليّن .**

''اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔'' (الترغیب والترهیب : ٤٦٠/٣)

✿ امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رشدین بن سعد نے ابن لہیعہ کی متابعت کی ہے۔

(حدیث ابن حیویه : ١٠/٣ /١٠، السلسلة الصحیحة)

رشدین بن سعد ''ضعیف'' ہے (تقریب التهذیب : ١٩٤٣) حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضعّفه الجمهور . ''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ١/ ١٦٠، ٥ /٦٦)

لہٰذا یہ متابعت بے فائدہ ہے، اس سے ضعف ختم نہیں ہوسکتا۔

④ **حدیثِ ابی موسیٰ** رضی اللہ عنہ : سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انّ اللّٰه لیطّلع فی لیلة النّصف من شعبان ، فیغفر لجمیع خلقه الّا لمشرک أو مشاحن .** ''اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو خصوصی توجہ فرماتے ہیں اور اپنی تمام مخلوق کو ماسوائے مشرک اور کینہ پرور کے معاف کر دیتے ہیں۔'' (سنن ابن ماجه : ١٣٩٠، السند الثانی ، السّنّة لابن ابی عاصم : ٥١٠)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ: ① اس میں ابنِ لہیعہ راوی ''ضعیف و مدلس و مختلط'' ہے۔ ② زبیر بن سلیم ''مجہول'' ہے۔ (تقریب التهذیب : ١٩٩٦)

③ عبدالرحمٰن بن عزرب بھی ''مجہول'' ہے۔ (التقریب : ٣٩٥٠)

✿ ابنِ ماجہ کی پہلی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ: ① اس میں مذکور راوی ابن لہیعہ موجود ہے۔ ② اس میں ولید بن مسلم موجود ہے، جو کہ ''تدلیس التسویہ'' کا مرتکب ہے۔

③ ضحاک بن ایمن ''مجہول'' ہے۔ (التقریب : ٢٩٦٥)

⑤ **حدیثِ ابی ہریرہ** رضی اللہ عنہ : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اذا کان لیلة النّصف من شعبان ، یغفر اللّٰه لعباده الّا لمشرک أو مشاحن .**

''جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ مشرک اور بغض و عداوت رکھنے والے کے علاوہ اپنے تمام بندوں کی بخشش فرماتا ہے۔'' (کشف الاستار عن زوائد البزار : ٢ /٤٣٦، ح : ٢٠٤٦، العلل المتناهیة : ٢ /٧٠)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی ہشام بن عبدالرحمٰن ''مجہول'' ہے۔

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: **ولم أعرفه .** ''میں اس کو نہیں جان سکا۔'' (مجمع الزوائد : ٦٥/٨)

راوی کی جہالت موجبِ ضعف ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوتا، جبکہ روایت کی

قبولیت کے لیے اس کے راویوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ ایک راویہ کے بارے میں لکھتے ہیں: **زینب هذه مجهولة ، لا تقیم بها حجّة .**

''یہ زینب مجہولہ ہے، اس کی روایت سے حجت قائم نہیں ہوسکتی۔'' (سنن الدارقطنی : ۱ /۱٤۷، ح : ٤۹۸)

❁ امام طبری رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ (فتح الباری لابن حجر : ۱۰ /۱۹۵)

❁ امام ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **والمجهول لا یجوز الاحتجاج بحدیثه ، اذ هو فی معنی المنقطع الّذی لا تقوم به الحجّة .** ''مجہول راوی کی حدیث سے حجت پکڑنا جائز نہیں، یہ منقطع ہوتی ہے، جس سے حجت قائم نہیں ہوسکتی۔'' (الاوسط لابن المنذر : ۲ /۲۲۳)

⑥ **حدیث ابی بکر** رضی اللہ عنہ : سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ینزل اللّٰه تبارک وتعالیٰ فی لیلة النّصف من شعبان الی السّماء الدّنیا ، فیغفر لکلّ نفس الّا انسان فی قلبه شحناء أومشرک باللّٰه عزوجلّ .** ''شعبان کی پندرہویں رات اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، ہر جان کی بخشش فرماتے ہیں، سوائے اس انسان کے جس کے دل میں بغض وعداوت ہو یا اللہ عزّ وجلّ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہو۔'' (السّنّة لابن ابی عاصم : ۵۰۹، کتاب التوحید لابن خزیمة : ح : ۲۰۰، کشف الاستار : ۲ /٤۳۵، شعب الایمان للبیهقی : ۳۸۲۷، اخبار اصفهان لابی نعیم : ۲ /۲)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عبدالملک بن عبدالملک جمہور کے نزدیک مجروح ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ''متروک'' ہے۔ (سوالات البرقانی : ۳۰٤) ، امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں **فیه نظر** فرماتے ہیں۔ (التاریخ الکبیر : ٤۲٤/۵)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **منکر الحدیث جدّاً .** ''یہ سخت ترین منکر الحدیث ہے۔''
(کتاب المجروحین لابن حبان : ۲ /۱۳٦)

② مصعب بن ابی ذئب کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''متروک'' ہے۔
(سوالات البرقانی : ۵۰۸)

⑦ **حدیثِ عوف بن مالک** رضی اللہ عنہ :

اس حدیث کو ابنِ لہیعہ نے **عبدالرّحمن بن زیاد بن أنعم عن عبادة بن نسیّ عن کثیر بن مرة**

عن عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

(کشف الاستار : ۲ /٤٣٦، المجلس السابع لابی محمد الجوھری : الصحیحۃ : ۳ /۱۳۷)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، یہ ''مدلس'' بھی ہے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **عبدالرّحمن بن زیاد الأفریقی ، وھو ضعیف بالاتّفاق .**

''عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی بالاتفاق ضعیف راوی ہے۔'' (خلاصۃ الاحکام للنووی : ۱ /٤٤٩)

❀ اس کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے **المجروحین** (۲ /۵۰) میں ذکر کیا ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''مدلس'' قرار دیا ہے۔

⑧ **حدیث عائشہ** رضی اللہ عنہا : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ عزّ وجلّ ینزل لیلۃ النّصف من شعبان الی السّماء الدّنیا ، فیغفر لأکثر من عدد شعر غنم کلب . ''اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ انسانوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔'' (سنن الترمذی : ۱ /۱۰٦، ح : ۷۳۹، سنن ابن ماجہ : ۱۳۸۹، مسند الامام احمد : ٦ /۲۳۸، شعب الایمان للبیھقی : ۳۸۲٤، مسند عبد بن حمید : ۱۵۰۷، العلل المتناھیۃ : ۲ /٦٦)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اسے یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن ارطاۃ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں سنا۔'' (جامع ترمذی : ۷۳۹)

② حجاج بن ارطاۃ جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مدلس'' ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حجاج بن ارطاۃ جمہور کے نزدیک حجت نہیں ہے۔'' (میزان الاعتدال : ٤ /۲۹٦)

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **الحجّاج بن أرطاۃ ، اتّفقوا علی أنّہ مدلّس وضعّفہ الجمھور ، فلم یحتجّوا بہ .** ''حجاج بن ارطاۃ راوی بالاتفاق مدلس ہے، اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے اس سے حجت نہیں پکڑی۔'' (تھذیب الاسماء واللغات للنووی : ۱ /۱۵۲)

حافظ عراقی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **ضعّفہ الجمھور .** (طرح التثریب لابن العراقی : ٤٢)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فانّ الأکثر علی تضعیفہ ، والاتّفاق علی أنّہ مدلّس .**

’’اکثر محدثین اسے ضعیف کہتے ہیں، اس کے مدلس ہونے پر تو اجماع و اتفاق ہے۔‘‘ (التلخیص الحبیر : ۲/۲۳۶)

③ اس حدیث کے تین شواہد ہیں: ✿ (العلل المتناهية لابن الجوزي : ۲/۶۷، ۶۸، ح : ۹۱۷)

یہ سلیمان بن ابی کریمہ کی وجہ سے ’’ضعیف‘‘ ہے، کیونکہ یہ ’’ضعیف‘‘ راوی ہے اور منکر روایات بیان کرتا تھا۔

✿✿ (العلل المتناهية لابن الجوزي : ۲/۶۸-۶۹، ح : ۹۱۸)

اس کی سند بھی ’’ضعیف‘‘ ہے، سعید بن عبد الکریم الواسطی کی توثیق مطلوب ہے۔

✿✿✿ (العلل المتناهية لابن الجوزي : ۲/۶۹، ح : ۹۱۹)

اس کی سند میں عطاء بن عجلان ’’کذاب و متروک‘‘ موجود ہے، لہٰذا ’’ضعیف‘‘ ہے۔

یہ وہ آٹھ روایات ہیں جن کی بنا پر امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ’’صحیح‘‘ کہا ہے، ان کا ضعف واضح ہے، لہٰذا ان کی بنا پر اس حدیث کو ’’صحیح‘‘ کہنا صحیح نہیں، بلکہ خطا ہے، کیونکہ ضعیف طرق کی بنا پر حدیث ’’صحیح‘‘ نہیں ہو جاتی۔

الحاصل : یہ حدیث اپنی جمیع سندوں کے ساتھ ’’ضعیف‘‘ ہے، علماء کی تصریحات بھی گزر چکی ہیں۔

ضعیف حدیث سے حجت پکڑنا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا نحتجّ بالمراسيل ولا بالأخبار الواهية . ’’ہم مرسل روایات سے حجت نہیں پکڑتے، نہ ہی ضعیف حدیثوں سے دلیل لیتے ہیں۔‘‘ (كتاب التوحيد لابن خزيمة : ۱/ ۱۳۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ ایک ضعیف حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: **لا تقوم بمثله الحجّة .**

’’اس طرح کی ضعیف روایات سے حجت قائم نہیں ہوتی۔‘‘ (جامع ترمذی، تحت حدیث : ۹۳۱)

✿✿✿✿✿✿✿

قتل اور پھانسی کی نماز

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وکان خبیب ھو قتل الحارث بن عامر یوم بدر ، فلبث خبیب عندھم أسیرا ، فأخبرنی عبید اللّٰہ بن عیاض أنّ بنت الحارث أخبرتہ أنّھم حین اجتمعوا استعار منھا موسیٰ یستحدّ بھا ، فأعارتہ ، فأخذ ابنا لی ، وأنا غافلۃ حین أتاہ ، قالت : فوجدتّہ مجلسہ علیٰ فخذہ ، والموسیٰ بیدہ، ففزعت فزعۃ عرفھا خبیب فی وجھی ، فقال : تخشین أن أقتلہ ، ما کنت لأفعل ذلک ، واللّٰہ ما رأیت أسیرا قطّ خیرا من خبیب ، واللّٰہ لقد وجدتہ یوما یأکل من قطف عنب فی یدہ ، وانّہ لموثق فی الحدید ، وما بمکّۃ من ثمر ، وکانت تقول : انّہ لرزق من اللّٰہ ، رزقہ خبیبا ، فلمّا خرجوا من الحرم لیقتلوہ فی الحلّ ، قال لھم خبیب: ذرونی أرکع رکعتین ، فترکوہ ، فرکع رکعتین ، ثمّ قال : لولا أن تظنّوا أن ما بی جزع لطولتھما .....

فقتلہ ابن الحارث ، فکان خبیب ھو سن الرکعتین لکل امرئ مسلم قتل صبرا .

’’خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی بدر والے دن حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، خبیب رضی اللہ عنہ ان کے پاس قید رہے، مجھے عبید اللہ بن عیاض نے خبر دی کہ اسے حارث کی بیٹی نے یہ بات بیان کی کہ جب وہ (مشرکین) سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے جمع ہوئے تو انہوں نے مجھ سے استرا مانگا تا کہ اپنے غیر ضروری بال صاف کر لیں، میں نے ان کو استرا دے دیا ، میری غفلت میں میرا بیٹا ان کے پاس چلا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا، میں نے دیکھا کہ آپ اسے اپنی ران پر بٹھائے ہوئے تھے، میں اس قدر ڈر گئی کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے میرے چہرے سے گھبراہٹ پہچان لی، فرمانے لگے، کیا تو ڈرتی ہے کہ میں تیرے بیٹے کو قتل کر دوں گا ؟ میں ایسا نہیں کرنے والا ، اللہ کی قسم ! میں نے کبھی خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر قیدی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم ! میں نے اسے ایک دن اپنے ہاتھوں میں انگوروں کے خوشے پکڑے ہوئے کھاتے دیکھا، حالانکہ مکہ میں کوئی پھل نہ تھا اور وہ لوہے میں جکڑے ہوئے تھے، وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق تھا جو اس نے خبیب رضی اللہ عنہ کو دیا، جب وہ (مشرکین) خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر نکلے تو خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، مجھے چھوڑو کہ دو رکعتیں ادا کر لوں، انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ نے دو رکعتیں ادا کیں اور فرمایا، اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم یہ سمجھ بیٹھو گے کہ مجھے ڈر لاحق ہو گیا ہے تو میں ان رکعتوں کو لمبا کرتا، پھر آپ کو حارث کے بیٹے نے شہید کر دیا، چنانچہ وہ خبیب رضی اللہ عنہ ہی ہے تھے جنہوں نے ہر باندھ کر شہید کیے جانے والے مسلمان کے لیے دو رکعتیں ادا کرنے کا طریقہ جاری فرمایا۔‘‘ (صحیح بخاری : ۳۰۴۵)